

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय  
इलाहाबाद

बर्ग संख्या.....

पुस्तक संख्या.....

क्रम संख्या..... 1165

Library Collection  
3093  
26-1-32

سلسلہ اصفیہ

ثنوی

# بحر الحجت

مؤلف

شیخ صفی

تصحیح و تحشیہ و اضافہ مقدمہ و تبصرہ و فرہنگ

از

عبدالماجد بی بی

طبع ثانی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع منشا اعظم کراچی چھپی

سلسلہ

KITABISTAN

Booksellers & Publishers

Allahabad.

Rs 50 Price

## فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	دیباچہ طبع ثانی (از مرتب)	۱-۲
۲	دیباچہ طبع اول	۵-۷
۳	تذکرہ مصنفی	۸-۶۴
۴	بحر المحبت اور دریاے شوق	۲۵-۴۲
۵	متن بحر المحبت مع حواشی ذیلی (از شیخ مصنفی مرتب)	۴۳-۷۱
۶	فرہنگ (از مرتب)	۷۲-۸۶

”ک“ کی طرح ایک ہی مرکز سے لکنا، دو علاحدہ لفظوں کو ایک میں ملا کر لکنا (مثلاً ”حق“ میں ”کے“ بچائے  
”حقین“) و قس علیٰ ہذا،

املا میں متعدد و فاضل غلطیاں موجود ہیں، مثلاً ”مثنوی“ کے بجائے ”مثنوی“۔ ”صعود“ کے  
بجائے ”صعودہ“۔ ”پدید ہونے“ کے بجائے ”برید“۔ ”بحر“ کے بجائے ”بحر“ وغیرہ،  
عنوان پر کتاب کے محض نام کے بجائے یہ الفاظ درج ہیں:۔  
”مثنوی بحر اہلبیت مصحفی بہ جواب دریا سے عشق میر تقی“  
خاتمہ پر یہ عبارت تحریر ہے:۔

”مثنوی در جواب دریا سے عشق میر محمد تقی صاحب سلمہ۔ من کلام میان مصحفی صاحب سلمہ  
الہ توفی۔ نوشتہ خاں جز خاکسار گنگا رملی بیگ بہ وقت سر پہرہ روز پنجشنبہ بہ تاریخ بخت و  
ہستم تمام شد سنہ ۱۲۲۵ ہجری“

نوشتہ باند سیر بر سفید      نویسنده را نیست فردا امید  
ہر کہ خواند طبع دعا دارم      ز اکدم بندہ گنگا رام

سنہ کے علاوہ کی کتابت زرا مشتبہ معلوم ہوتی ہے، یعنی شبہہ ایسا معلوم ہوتا ہے  
کہ کسی دوسرے شخص نے انھیں لکھ دیا ہے، لیکن میر تقی کے نام کے ساتھ ”سلمہ“ لکھا ہوا ہے جس  
معلوم ہوتا ہے کہ وقت کتابت وہ زندہ تھے، اور سنہ ۱۲۲۵ تک ان کا زندہ رہنا ظاہر ایسے شبہہ

زیادہ قوی نہیں رہتا نہ وہ تالیخ کے اندراج کے ساتھ مینہ کا ذکر نہ ہونا بھی ذرا کھٹکتی ہوئی بات ہے۔ سال کی بات ۱۲۵۰ اگر صحیح ہے، تو یہ ثابت ہو کہ مصحفی نے بوجہ میر صاحب کی زندگی ہی میں کہ ڈالی تھی،

بحیثیت مجموعی، میر نسخہ اس نسخہ سے صحیح تر ہے، اس لیے جہاں دونوں نسخوں میں اختلاف ہو، زیادہ ترین نے اپنے ہی نسخہ کو قابل اعتماد سمجھا ہے۔ تاہم ہر جگہ ایسا نہیں کیا ہے بعض بعض مقامات پر اس دوسرے نسخہ کی کثرت کو کھلی ہوئی ترجیح دی اور وہاں اسی کو اختیار کر لیا ہے، دو چار مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں میر سے نزدیک دونوں نسخوں کی کثرت غلط ہے، وہاں اپنے قیاس سے صحیح نفا کو متن میں جگہ دیکر غائیہ ذیلی میں اسکا اظہار کر دیا ہے، اپنے نسخہ کا نام مینہ الف رکھا ہے، اور اس دوسرے نسخہ کو نسخہ ب سے موسوم کیا ہے چنانچہ حواشی ذیلی میں الف و ب کے حوالہ کثرت سے ملینگے خود میں نے اپنے قیاس سے جو الفاظ درج کئے ہیں، انہیں حرف م سے ظاہر کیا ہے، جو متب کا مخفف ہے ب میں تعداد اشعار بمقابلہ الف کے بقدر ۲۶ کے کم ہے، اور صرف ایک شعر ایسا ہے جو الف میں موجود نہ تھا، اس شعر کو بھی اس اڈیشن میں داخل کر لیا گیا ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان اشعار میں میر کی فضیلت و حق تقدم کا اعتراف ہے، وہ ب میں یکسر غائب ہیں، اور ایک شعر (میرا) جو اس معنوں کا لگتا بھی ہے، تو اس میں میر کا

نام ہی مسخ ہو گیا ہے اور پہلا مصرعہ بچا ہے  
 ”گرچہ ہے کلک تیرا درکار“

کے یوں درج ہے :-

گرچہ ہے کلک مرد نادارہ کار

اس ایڈیشن میں حواشی ذیلیں صرف قرائون کے اختلاف کو دکھایا گیا ہے،  
 باقی زبان وغیرہ سے متعلق جو دوسرے ضروری حواشی تھے، انھیں الگ بطور  
 فرہنگِ آخر میں شامل کر دیا گیا ہے، الہ آباد یونیورسٹی، بمبئی یونیورسٹی، محکمہ تعلیمات  
 یوپی اور جن دوسرے تعلیمی اداروں نے اس رسالہ کی سرپرستی، و قدر افزائی فرمائی  
 تھی، کیا عجب ہے کہ اس نئے ایڈیشن کو، پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں بہت زیادہ  
 مفید پائین،

عبدالمجید

اکتوبر ۱۹۲۶ء

دریاباد، بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دیباچہ طبع اول

مصحفی کی ثنوی بحر الحسب میرے علم میں آج باکل پہلی بار کتاب کی صورت میں  
باس طبع سے آراستہ ہو کر دنیا کے سامنے پیش ہو رہی ہے، اس کا کوئی دوسرا قلمی نسخہ تک  
میں اپنے باخبر احباب اور ہندوستان کے مختلف کتب خانوں سے دریافت کر سکا، اور کہیں  
موجود نہیں، جس قلمی نسخہ کے مطابق یہ کتاب طبع کی جا رہی ہے، میرے ذاتی کتب خانہ کا نسخہ  
ہے، اس قسم کی کتابیں جیسے لگتی ہیں، تو مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے ان کی صحت  
کر لی جاتی ہے، افسوس ہے کہ اس ثنوی کا کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہو سکا، اس لئے قدر  
متعدد مقامات کی صحت مشتبہ رہ گئی، اس ثنوی کی تصنیف کو ایک صدی سے زائد عرصہ  
ہو چکا ہے، اسلئے کہ پورے سو برس مصحفی کی وفات کو ہو چکے ہیں، قلمی نسخہ پر سالِ کتابت ۱۲۸۵  
درج ہے، اس سے چند سال قبل میر تقی میر نے ایک ثنوی دریاے عشق کے نام سے کہی تھی

مصحفی نے اس نمونہ کو سامنے رکھ کر بحر سخن میں غوصی کی، اور اسکا نام بحر الحجت رکھا،  
جو قلمی نسخہ پیش نظر ہے، چھوٹی تقطیع کے قدیم دبیر کاغذ پر تحریر ہے، کاغذ کو اکثر مقامات پر  
کیرے کھا گئے ہیں، چنانچہ کہیں کہیں اس قدر کرم خوردہ ہو گیا ہے کہ الفاظ بلکہ سطر فقرے غائب  
ہو گئے ہیں، کاتب کوئی صاحب طاہر الزمان نامی ہیں، آغاز کتاب میں یہ عبارت درج ہے  
”ثنوی میان مصحفی سلمہ کہ بر طبق مضمون ثنوی دریا سے عشق کہ از میر تقی مرحوم است گفتہ“  
خاتمہ پر عبارت ذیل درج ہے،

”نوشتہ بہ ماند سیاہ بر سفید نویسدہ رانیت فردا امید“

تتمت تمام شد ثنوی بحر الحجت میان مصحفی ساکن لکھنؤ

یہ خط محمد طاہر الزمان غفری اللہ عنہ بتاریخ ششم ماہ حج الثانی ۱۲۱۵ھ باتمام رسید در دہلوی  
کاتب صاحب بہت ہی استعداد معلوم ہوتے ہیں، املا و کتابت کی موٹی اور نازک غلطیاں  
کی ہیں، ثنوی کو ہر جگہ ”سنوی“ لکھا ہے، مرقع کو ”مرقبہ“ لکھتے ہیں، تہیہ کو ”تجہ“، خواں کو ”خواں“  
گمار کو ”قبار“، زرا کو ”زہ“، کوہ غم کو ”کوہ غم“، وقس علی ہذا،

اس کے علاوہ بعض الفاظ کے لیے کاتب صاحب اپنا ایک مخصوص طرز املا  
رکھتے ہیں، جبکی مثالیں اس زمانہ کی طرز کتابت میں عموماً ملتی ہیں، مثلاً ان کے ”گ“  
میں کوئی فرق نہیں ہوتا، ”گ“ کو وہ ایک ہی مرکز دیتے ہیں، ”تو“ کو ”تون“ لکھتے ہیں، ”نہ“



کو "نین" آ "کوہ" آ "وقس علی ہذا،

تو برس کے عرصہ میں زبان میں جو تغیرات ہو گئے ہیں وہ اہل نظر پر بخفی نہیں ایسی  
کتاب پر خوشی دینے ضروری تھے لیکن مقابلہ کے لیے کسی دوسرے نسخہ کا موجود نہ ہونا  
کاتب نسخہ کی بھٹی، املا کی بہ کثرت غلطیاں، اور پھر کتاب کا جابجا کرم خوردہ ہونا، ایسی  
حالت میں یہ کام انجام دینا جقدر دشوار تھا، اسکا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں  
خود کبھی اس قسم کے کام انجام دینے کا اتفاق ہوا ہے،

ارباب ذوق سے مشورہ حاصل کرنے کی غرض سے میں نے یہ مثنوی اکتوبر ۱۹۲۱ء  
کے سہ ماہی رسالہ اردو میں شائع کر دی تھی، اس موقع پر مسرت و ممنونیت کے ساتھ اسکا  
انہار کرتا ہوں، کہ حضرات ذیل کے مشورہ و ن سے خاص طور پر مستفید ہوا، مولوی سید  
فضل الحق صاحب حسرت موہانی، مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی، مولوی عبدالسلام  
صاحب ندوی، مولوی عبدالباری صاحب ندوی اور مولوی عبدالحق صاحب بی، بی،  
اے، ایڈیٹر اردو،

عبدالمجاہد

دہلی (بامہ ننگی)

۱۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء

# مقدمہ

## تذکرہ مصحفی

نام شیخ غلام محمد انبی تھا، والد کا نام شیخ ولی محمد تھا، وطن امر وہمہ (ضلع مراد آباد) تھا، نوعمری میں ولی آگئے یہیں طالب علمی کی، علمی و ادبی صحبتوں میں سائنسی مصل کی طبیعت موزون پائی تھی، رفتہ رفتہ شعر کہنے لگے، تخلص مصحفی اختیار کیا،

مولد و وطن دہلی نہ تھا لیکن دہلی سے انتساب زبان دانوں کے لیے ہمیشہ باعثِ غرر رہا ہے، شیخ صاحب نے بھی چونکہ کونٹ یہیں اختیار کر لی تھی، اس لیے اشعار میں غرر بہ جایا دہلی کو اپنا وطن قرار دیا ہے، مثلاً

دہلی کہے ہیں جسکو زمانہ مصحفی

میں رہنے والا ہوں اسی اُجٹے دیا کا

علمی قابلیت زیادہ نہ تھی، تاہم بہ قول صاحب آب حیات ”زبان فارسی اور ضروریات شعری سے باخبر تھے، اور نظم و نثر کی کتابوں کو اچھی طرح دیکھ کر معلومات وسیع اور نظر بلند حاصل کی تھی۔“ اپنے خود نوشت تذکرہ میں ضمناً تحریر فرماتے ہیں،

۱۔ از آغاز شباب بہ مقصداۓ موزونی مصروف تحصیل علم بود چنانچہ بہ فضل صحبت بزرگان  
 اول از تکمیل نظم و نشر زبان فارسی تحقیق محاورہ و اصطلاحات آن فراغت کردہ بہ مقصداۓ  
 مدراج زمانہ آخر کار خود را مصروف ریختہ گوئی داشتہ،

اس عبارت سے بھی یہی نکلتا ہے کہ فارسی زبان و انشا کی استعداد پوری تھی،  
 شاگرد کس کے تھے۔ اس تذکرے سے قائم تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ سرایاے سخن  
 میں جوئے کی تالیف ہے، ان کے نام کے ساتھ "شاگرد میان امانی درج ہے۔  
 آباد اجداد حکومت وقت کے اعلیٰ مناصب پر سرفراز تھے، اور خوشحالی سے بسر کرتے تھے  
 دیوال سلطنت کیساتھ ان کی خانگی سلطنت کا بھی شیرازہ منتشر ہو گیا، بزرگوں کی فاسخ البالی  
 ان کے حصہ میں نہ آئی، اپنے تذکرہ میں خود فرماتے ہیں،

» بزرگان شایان ابا بن جدید مذکری خانہ بادشاہ کردہ اندازا یاسے کہ تفرقہ شدید سے  
 راہ یافتہ سلطنت این روسیاء ہم بہ خاک سیاہ برابر شدہ، ہمہ از متبع دنیا بہرہ دانی داشتہ  
 این فقیر چون بخت و طالع آہنا داشتہ،

دہلی میں اگر بارہ برس تک مقیم رہے، معاش کی طرف سے سخت پریشانی رہی  
 حسین ایک حد تک خود ان کے استغنا کو بھی دخل تھا۔ فرماتے ہیں،

لے تذکرہ اشعار شیخ معصومی علیٰ غزوہ کتب خانہ قادیانہ لکھنؤ ۱۳۰۵ سربراہ سخن سیرین علی حسن لکھنؤی ۱۳۰۵ مکتبہ نوکلشوت تذکرہ

دوڑہ سال در شاہجان آباد . . . ہر گوشہ عزت خیزہ . . . دہرگز برائے تلاش  
معاش در آن حشر جہاد اموات بر در کس ز رفتہ

آنکب تک برداشت کرتے لکھنؤ اس وقت آصف الدولہ کا لکھنؤ تھا، اور اسکا دربار  
اہل کمال کا مرجع، شاعر دن میں میر تقی میر، میرزا رفیع سودا، میر حسن، بیتدا، انشا اللہ خان  
انشا، اس بزم کی زیب و زینت تھے، مٹھنی نے بھی اسی چمن کو اپنے نشین کے لیے انتخاب  
کیا، دہلی سے لکھنؤ وارد ہوئے، ابتداً میرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں متوسل ہوئے، اس  
شعور میں اسی توسل کی جانب اشارہ ہے۔

تخت طاؤس پہ جب ہوئے سلیمان کا جلوس

موجھل ہاتھ میں مین بال ہما کا لے لون

رفتہ رفتہ دربار شاہی میں بھی رسائی ہو گئی،

لکھنؤ دار دہونے کا زمانہ تیرہویں صدی ہجری کا آغاز تھا، ایک معاشرت کردہ نویں  
سیر اعلیٰ لطف لکھتے ہیں،

مہمان علی کہ بارہ سو پندرہ ہجری میں (مصحفی) ایک چودہ برس سے اوقات لکھنؤ  
میں بسر کرتا ہے۔

شاہ نوپ حضرت الدولہ کا زمانہ ۱۱۴۵ھ تا ۱۲۱۵ھ ہے، شاہ نوپ کے تندر شاہ کے زمانہ میں قیام اور ان کے  
دکن ۱۷۶۶

ہلاکی کی پریشان حالی نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا، ساری عمر لکھنؤ میں گزاری، احمد  
شاگرد بنائے جنہیں بعض عالی ہمت امراء اور روسا بھی تھے، دربار شاہی میں رسائی ہوئی  
ہاں ہمہ فلاکت نے رفاقت نہ چھوڑی، تذکرہ گلشن ہند میں ایک مہجر کا بیان ہے،  
”رضیق معاش تو وہاں مدت سے نصیب اہل کمال ہے“

اسی طور پر درہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے“ (صفحہ ۱۶۳)  
اصتلاح نے بالآخر شعور فرشتی پر مجبور کر دیا، ہر مشاعرہ کے لیے متعدد غزلیں کہتے، گو  
آتے، اور ہر سہ عمر یا اس سے زائد قیمت دیکر انتخاب کر لے جاتے، جو کچھ بچ رہتا، وہ  
خود اپنے لیے رکھتے، عموماً یہی غزلیں ہین، جوان کے دواوین میں لکھی چلی آئی ہین، جس  
آب حیات کی روایت ہے، کہ ایک مشاعرہ میں جب شعرون پر بالکل تعریف نہ ہوئی  
تو انھوں نے تنگ ہو کر غزل زمین پر دے ماری اور کہا کہ دے فلاکت سیاہ جسکی  
بدولت کلام کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ اب کوئی سستا بھی نہیں، اس بات کا چرچا ہوا تو یہ عقد  
کھلا کہ ان کی غزلیں بکتی ہین، اچھے اچھے شعر تو لوگ مولیٰ بیجاتے ہین، جو ر سجاتے ہین وہ انکے  
حصہ میں آتے ہین،

کثرتِ تلامذہ کے لحاظ سے محضی کو استادِ الاساتذہ کہنا چاہیے جس کثرت سے بچے

شاگرد تھے، ولی سے لیکر آج تک شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو نصیب ہوئے ہوں  
اور شاگرد بھی اس پایہ کے کہ تھے، جو آگے چل کر خود صاحب دیوان و استادِ مسلم قرار دیئے گئے  
مثلاً انشائیں، سیرِ خلیق، شہید سی، ہوس، تنہا، عینِ وغیرہ آبِ حیات کی ایک ضعیف ترین  
کے مطابق تاریخ نے بھی ان سے اصلاح لی تھی۔

لکھنؤ کے قیام میں سالہا سال سید انشائے سے معرکہ آرائی ہوتی رہی، انشائے کی طبیعت  
برجستگی، حاضر جوابی، شوخی و ظرافت کا مجموعہ تھی، مصحفی کی سادگیاں ان کی چٹکیوں اور گدگدوں  
کا جو مخالفت کو رُلا رُلا دیتی تھیں، مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، تاہم اس کمی کی تلافی ان کی شاعری  
فادر الکلامی، دو سہ سہ معلومات کر دیتی تھی، ان معرکہ آرائیوں کی دھچپ روئداد کو آج  
کے ایک جام نے طویل زندگی بخش دی ہے،

مرزا سلیمان شکر، ابتداً مصحفی کے خاص سرپرست تھے، اور اپنے کلام پر اصلاح بھی  
لیا کرتے تھے، بالآخر سید انشائے کی ادائوں پر وہ بھی مفتون ہو گئے، اور اپنا کلام انھیں کو لکھا  
لگے، اس سے بھی بڑھ کر یہ تم کیا کہ مصحفی کا ماہوار سی و طیفہ پچیس سے گھٹا کر پانچ کر دیا، شیخ حسن  
کو عسرت اب زیادہ سنا نے لگی، ایک مفصل نکتہ کا یہ نامہ لکھا، دو شعر یہ ہیں، ۷۷  
اے وائے کہ پچیس اب پانچ ہیں سپہ ہم بھی تھے کھین بدزدن تین پچیس کے لائق

استاد کا کرتے ہیں امیر انکی مقدر ہوتا ہے جو دراہم کہ سائیس کے لائق  
 کچھ روز کے بعد جب بات زیادہ بڑھی، فریقین ایک دوسرے کی عزت کے درپے  
 ہو گئے، سلیمان شکوہ نے اب علانیہ سید انشاد کا ساتھ دینا شروع کیا، ایک مرتبہ ایک سنگ  
 جو شیخ مصحفی کے فریق نے تیار کیا تھا اسے کو تو ال سے لکھ کر گوا دیا، ضیعت و بنصب تھا و  
 اس توہین کی تاب نہ لاسکا، خیمہ ہشت پیشتر سے تھا، اب دل شکستہ بھی ہو گیا، اور ترک  
 سکونت لکھنؤ کا قصد کر لیا، یاس و دل شکستگی کا یہ رنگ کلام میں بھی جھلکتا ہے، ایک غزل کے  
 مطلع و مقطع میں بھی نو صریح ہے،

جاتا ہوں تیرے در سے کہ تو قیر نہیں یان کچھ اس کے سوا اب میری تدبیر نہیں یان  
 اے مصحفی بے لطف ہے اس شہر میں ہننا سچ ہے کہ کچھ انسان کی تو قیر نہیں یان  
 لیکن لکھنؤ سے باہر نکلنا مقدر میں نہ تھا، ۱۲۷۵ھ میں وہیں فوت ہوئے، سال ولادت  
 کی پوری تحقیق نہیں، بعض اہل تذکرہ ۱۲۷۵ھ لکھتے ہیں، اس حساب سے ۷۷ سال کی عمر پائی،  
 تصانیف ذیل انکی یادگار ہیں،

آٹھ دیوان اردو،

ایک - دیوان فارسی،

ایک - تذکرہ فارسی،

دوستِ مذکرہ شعرا اردو

لیکن یہ تمام چیزیں اب تقریباً نایاب ہیں مکمل دواوین تو شاید کہیں بھی موجود نہ ہوں  
ایک تذکرہ کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ہے، بعض دواوین کتب خانہ حسرت موہانی میں ہیں  
کچھ عرصہ ہوا ایک انتخاب دواوین حسرت نے شائع کیا ہے، اور مولوی حکیم عبدالحی مرحوم  
صاحب گل سمنانے لکھا ہے، کہ ان کے دواوین کا ایک خلاصہ اسیر و امیر نے اپنی  
تصحیح کیساتھ نواب کلب علیخان مرحوم (والی رامپور) کے حکم سے کیا تھا، جو اس وقت چھپ  
بھی گیا تھا،

ان کے بالکمال و استادان ہونے پر شروع سے اب تک تمام تذکرہ نویس قائلان  
سخن متفق رہے ہیں، بلکہ بعض نے تو ان کی مدح میں غلو سے کام لیا ہے چند اقتدا  
قابلِ ملاحظہ ہیں،

ایک معاصر مرزا علی لطیف، صاحب گلشن ہند کا بیان ہے: اپنی قوم کا شرف ہے  
سچ تو یہ ہے کہ گفتگو اسکی بہت صاف صاف ہے، بندش نظم میں اسکی ایک صفائی اور  
شیرینی ہے، اور معنی بندش میں اسکی بلندی اور رنگینی ہے

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ و حسرتی جن کی سخن سنجی و نکتہ رسی کی داد مرزا غالب تک

گلشن ہند ۱۶۷۵-۱۶۷۶ء شائع کردہ انجمن ترقی اردو، ملتان ۱۹۷۱ء



دیتے تھے، فرماتے ہیں،

”در بلاد مشرق بسیار ستم و در استادی علم بوده، و اکثر سخنوران آن بلدان اکتساب فن از کرده اند، ہر چند بہ تقاضای شیوہ بسیار گویان اکثر کلام بہ کم پایہ و از لطائف عالی است، اما گزیدہ اشعار او در نہایت تربست و الما و مرتب عالی است۔“

ایک اور سخن فہم تذکرہ نویس کا خیال ہے :-

”در بلاد مشرق ستم الثبوت بود، و در استادی و سخن نیست، بر جمیع اصناف

سخن قدر تے داشت تمام۔“

دور حاضر کے ایک مستند سخن سنج مولوی فضل الرحمن حسرت موہانی کی رائے ہے،

”میر تقی کے رنگ میں مٹھنی، میر حسن کے ہم پلہ، سودا کے انداز میں انتشار کے ہم پنا اور جعفر علی حسرت کی طرز میں جرات کے ہمنوا ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی ان سب ہنرمندوں سے بہ اعتبار کمال فرق سخن دانی و مشافی برتر ہیں، اور یہیں سے ہے کہ راقم کی نگاہ میں، میر اور مرزا کے بعد اور کوئی استاد ان کے مقابلہ میں نہیں چلا۔“

مولوی حکیم خدیجی مرحوم، چکے سے صحیح ناقد سخن باب غنائین کہنی صحیح اور خجی تہی رائے دیتے ہیں

۹۶ گلشنِ چار شیفہ ص ۱۸۱ تذکرہ لکھنؤ ۱۹۱۶ء، صفحہ تذکرہ طور کلیم، نواب نور الحسن خان، ص ۹۷

۹۷ رسالہ اردو کے معنی جلد ۱ نمبر ۱ (یا تبہ جون ۱۹۶۶ء)

ان کی ہمہ گیر طبیعت نے کسی خاص رنگ پر قناعت نہیں کی، اس کے کلام میں کہیں تیر کا درجہ  
 کہیں تود کا انداز، کہیں تود کی سادگی اور جہان کہیں ان کی کمنشتی اور سادگی اپنے پشیر و اساتذہ کی  
 خوبیوں کو جاکر دیتی ہے، وہاں وہاں دو شعاعی کے بہترین نمونہ قرار دیے جاسکتے ہیں، اس مجموعی  
 حیثیت سے یہ قول حسرت موہانی میر غفرلہ کے بعد کوئی استاد ان کے مقابلہ میں نہیں جچتا  
 اور یہ اپنے ہم عصروں میں سب سے برتر اور سب سے فائق نظر آتے ہیں۔

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے جو رائے ان کے کلام کی بابت ظاہر کی ہے وہ  
 اس درجہ منصفانہ و محققانہ ہے کہ ذیل میں اس کا ایک طویل اقتباس درج کیا جاتا ہے،  
 "دیوان ان کی استاد کی کو مسلم الثبوت کرتے ہیں، انواع و اقسام کی صد ہا غزلیں ہیں،  
 جو غزلیں نہایت سنگدلخ زمینوں میں لکھی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ منش  
 سے کلام پر قدرت کامل پائی ہے، الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس کو  
 بست کے ساتھ شعر میں لکھا یا ہے، کہ جو حق استاد کا ہے، ادا ہو گیا ہے، ساتھ اس کے  
 اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، طبیعت روان تھی، پُر گوئی کے سبب سے وہ  
 لطف کلام میں نہ پیدا ہوا، غزلوں میں سب رنگ کے شعر ہوتے تھے، کسی طرز خاص کی  
 خصوصیت نہیں، بعض توصیفی اور برجستگی میں لاجواب ہیں، بعض میں یہی معمولی باتیں ہیں۔"

۱۲ محلِ رفا، مؤلفہ مولوی ملک عبدالحی ص ۳۲ (مطبع حارث، عظیم گڑھ ۱۳۲۳ھ)

جنہیں ڈھیلی ڈھیلی بندشوں میں باندھ کر پھسے پھسے رہا کرتے چلے گئے ہیں۔

غرض شعر کی ہر شاخ کو لیا ہے اور جو قواعد و ضوابط اس کے پرانے اُستادوں نے باندھے ہیں، اُن کا حق حرف بحرف پورا ادا کیا ہے ہاں اپنے ہمصوروں کی طرح طبعیت میں چلبلاہٹ اور بات میں شوخی نہیں پائی جاتی کہ یہ کچھ اپنے اختیار میں نہیں خدا اور بات راقمِ سطور کے نزدیک آزاد مغفور کی رائے حرف بحرف صحیح ہے، متعفی میں زبانِ انی مشاق و چنگی کلام کے اوصاف بد و جہاتم موجود تھے، لیکن طبعیت شاعرانہ نہیں پائی تھی قواعدِ فن کے لحاظ سے ہر شعر کا نئے کی تول جچا ملا ہوتا تھا، لیکن درد و گداز، جوش و خروش، نزاکت و لطافت، تخیل، چنگی و بیباختگی کے جو ہر عطیہ فطرت ہوتے ہیں، مشاق و پرگوئی، کسب و کست اسے اس محرومی کی تلافی نہیں ہو سکتی، جنینیت مجموعی ان کا نام اساتذہ شعرا اردو کی فہرست میں عرصہ دراز تک زندہ رہے گا،

ذیل میں ان کے بلند و پست ہر قسم کے اشعار کا ایک مختصر انتخاب دیا جاتا ہے جس سے ان کے رنگ، تغزل و مثنوی گوئی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، قصائد کا رنگ بھی غزلیات ہی سے ملتا جلتا ہوا ہے، یعنی شکوہ، الفاظ، بند ہی مضامین صحت تراکیب میں کلام نہیں، لیکن ساتھ ہی بندش کا ڈھیلا پن اور کلام کی بے تاثیر بھی موجود ہے،

بہنیں بن دیکھے اُسکے دکھو آرام  
 بس آئینہ رو ہے طفلِ جام

رعایت  
 طفلی سے

ملاجب آئینہ کو ایسا نائی  
 بنائی چار ابرو کی صفائی

نہ کھینچے نامہ مواس کی مثال  
 کہ ہے وہ عاشقوں کے ناکِ کلال

آگیا خط پہ سرِ بونہ گیس نازِ سنو ز  
 ہے اسی دھپ پہ نگاہِ اندازِ سنو

سبز بونہ کا تیری کیکے جلوہ شبِ عید  
 شمعِ موی سے جلی سردِ چمن کی بتی

پھول چھڑتے ہیں منہ اُسکے سحرِ دینِ جھکو  
 گلابان گر کبھی وہ غنچہ دہانِ تیرا ہے

درِ دو غم کو بھی ہے نصیبِ شمرط  
 یہ بھی قسمتِ سوا نہ پسینِ ملتا

سلاست  
 صفائی سے

تک شاعرِ غریب ہر زمانہ کے مذاق کو اپنا منبع کیونکر کر سکتا ہے آج جو اشعار قابلِ مٹھکا سمجھے جائینگے، سو برس  
 دھڑنیں کو کتنوں شہری کی جان بھاجا تھا،

کہتے ہو ایک آدھ کی ہوسیر ہاتھ موت ہم بھی سمجھے ہیں، یہ سناتے ہو ہلو کیا

نہ کہیں صبح ہی ہونی ہو نہ خواب آتا ہو رات کیا آتی تو اک مجھ پہ عذاب آتا

ہائے کعبہ سے پھر اتنا تک ہرگز متعفی اسکو دان کیا جانے کس سے محبت ہو گئی

پردہ خاک میں سو سو ہے جا کر افسوس پردہ رخ یہ کیا کیا ہے تاباں لیکر

میں عجب ہی | میں عجب ہی ہم کچھ مجھ پر دزمید قربان دہی فضا بھی کرے ہودی نے خواب ٹپا

آنکھ سیدھی نہیں کرتے کہ مقابل ہو نگاہ آری ناز سے دو کچھ ہے شر لے ہوئے

کیا خطا مجھ سے ہوئی رات کہ کل فرکا میں نے خود چھوڑ دیا ہاتھ میں دامن لیکر

تب ہو عاشق کی شب بصل تلی ہو گل معصوب ہو جب گل دہن سرخ ترا

میں کیونکہ میں ہوؤں کہ شب بمل مجھے یاد آتا جو وہ راتوں کا جھکا تا میرا

پاؤں پر پاؤں جو کسے تین کھٹاپے کے کیا کڑے اس کے الجھ کے کڑے پاؤں کے

تھا آپ ہی دیوان مرانا مرنا محال کا جو کو فرشتوں نے لکھا مرنا محال

کیا یار کے دامن کی خبر بچھے ہو ہم سے یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے الفت تیری اس قدر بہت ہے

وعدہ قتل سے رکھتا ہوں دل پر کہ میں نہ تھا کہ اسی وعدہ میں اک وعدہ دیدار بھی ہے

وہ جی میں چناؤں کہ مر ارب تو دیکھو میں خوش کہ خیال نگہ دور کئے ہے

تھا اگر روز قیامت تو بھی ہم شادان نہ تھا وہ جو اک دن اس کے ملنے کا مقرر ہو گیا

روزِ در | تیرے کو چہ ہر بہانہ مجھ کو مل سولات کرنا  
کبھی ان سے بات کرنا کبھی ادب بات کرنا

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں مٹی  
کیا غم ہے مزہ کا کہ طبیعت نہیں مٹی

صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی  
یہی وعدہ ہیں تو کب اپنے ملاقات ہوئی

اُہ نگلی تو دل سے ہے لیکن  
اُہ کیا جی جلا کے نگلی ہے

پھر جاننی کا لطف ہوا اور بھی دو چند  
اک جاننی بھی جبکہ شبِ بے کھج گئی  
تنبہ صحنی سے دیکھ کے تجھ کو کھنچا ہوا  
ابر و بھی تیری اسے بُت گرا کھنچ گئی

تعلیٰ | ادب تو کمرِ سادہ دلو سے تو بچی سی غول  
تازہ مہنی کا تو آخر متصفی خلاق ہو

کچھ مین جرات نہیں ہوں متغنی سحر بیا  
میرِ مرزا سے لڑانے یہ غول جاوٹکا

مہین اور سلاطون مرے آگے      دعویٰ نہیں کرتا کوئی موزون مرے آگے  
 ہے ہوسے ہاتھوں کو بہ امید اجابت      رہتے ہیں کھڑے پیکر دن مضمون مرے آگے  
 خوشہ رباہین مرے خرمین کے جہان میں      کیا شعر پڑھیکا کوئی موزون مرے آگے  
 دیون میں مصحفی عکس کے بھی فن میں      ہے کو دک نو دس فلاطون مرے آگے  
 کہیں کہیں صوفیاد رنگ کے بھی اشارے کہیں      اور حق یہ ہے کہ جب کہتے ہیں تو  
 کہتے ہیں ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

قہ ہوں یا خالق مخلوق نما ہوں      معلوم نہیں مجھ کو کہ میں کون ہوں کیا ہوں  
 ن شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ      یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں  
 کو مری ہستی عالم نہ سمجھنا      ہوں ہست تو پرستی عالم سے جدا ہوں  
 ماسے کہ مجھ پر مر اعتقدہ نہیں کھلتا      ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں  
 مصحفی شانیں ہیں مری جلوہ گری میں      ہر رنگ میں میں منظر آثار خدا ہوں

رخنہ دون بلا سسل نہا

دلی میں ترے ملنے کا ارمان بگیا      یہ دل تڑپ تڑپ کے مری جان بگیا  
 ہے وہ مرغ خستہ مرے اضطراب کو      سینہ میں جس کے ٹوٹ کے پیکان بگیا



نمازان تھا اپنے حسن و صفائی پہ آئینہ  
 صورت کو تیری دیکھ کے حیران رہ گیا  
 آیا یہ کارِ نچھہ زخم اپنے ہاتھ سے  
 ثابت ہو کوئی تارِ گریبان رہ گیا  
 دینا سے ہم چلے گئے باپسارِ مصحفی  
 اک یادگار اپنا یہ دیوان رہ گیا

ہے یہاں سکھ و ملخ انجن آرائی کا  
 اپنے رہنے کو مکان چاہیے تنہائی کا  
 باغ میں اُگتے ہیں ان سے گلِ سخا ہنک  
 جس جگہ سایہ پڑا تھا تری رعنائی کا  
 رہزنِ قافلہ ول ہو میں جب وہ مرگان  
 پہلے اسبابِ لٹا صبر و مشکبیلی کا  
 نیشہ دل کو مرے چور کی جواؤں نے  
 کیا لیا تھا میں بھلا گنبدِ مسعنائی کا  
 مصحفی اک غزل اس مردہ زمین میں لکھاؤ  
 گر تجھے شہر میں دعویٰ ہو مسعنائی کا

جب واقعہ راہ و روش ناز ہوئے تم  
 عالم کے میان خانہ بر انداز ہوئے تم  
 نسبت تمہیں کیا تازہ ہنالاں چمن سے  
 اب نامِ خدا سر و سرافراز ہوئے تم  
 میں تم سے نہ بولو عجیب کسی اسے لب بستہ  
 اوس بن بہ تبسم بھی اگر باز ہوئے تم  
 پہنے سے میان جامہ گلہ وز کے برین  
 طاؤس صفت اور بھی طراز ہوئے تم  
 اے مصحفی مرغانِ چمن رہ گئے خاموش  
 جب بلغ میں جاز مرز پر واز ہوئے تم

گر بر گھرا ہوا کھڑا ہے	آنسو بھی تلا ہوا کھڑا ہے
حیران ہے کس کا جو سمندر	مدت سے رُکا ہوا کھڑا ہے
خلوت ہو کچھ تو یوں کہے وہ	کوئی در سے لگا ہوا کھڑا ہے
میرا ہی ہے انتظار اوس کو	ناقہ تو کسا ہوا کھڑا ہے
اے جان نکل کہ مصحفی کا	اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

پرجہ جی عشق کا بیار برا ہوتا ہے	دل کا آزار ہی آزار بُرا ہوتا ہے
جی ہی لیجائے ہو فریاد و فغان کر کے	دام الفت کا گرفتار بُرا ہوتا ہے
جسے دیکھا تجھے قبضہ پر مھرے ہاتھ کہا	ہائے اس وضع کا خونخوار بُرا ہوتا ہے
اس کا پینا نہیں مقدور ہر اک ساتی	عشق کا ساغر سرشار بُرا ہوتا ہے
آپ کو مار ہی مرنے میں دیکھا ہے بہت	مصحفی عاشق ناچار بُرا ہوتا ہے

# بحر المحبت

ادرا

## دیے عشق

بحر المحبت کی تالیف سے قبل میر تقی میر کی شنوی دریائے عشق شائع ہو چکی تھی۔ مصحفی نے اسی نمونہ کو سامنے رکھ کر بحر سخن میں شنواری کی ہے، اور کمال فیاضی و فراخ دلی سے میر صاحب کے حق نقد و مرتبہ کمال کا اعتراف کیا ہو، ابتداء میں فرماتے ہیں:

گرچہ ہے کلک میر تادار کا ر تو بھی ندرت کو اپنی کر اظہار (۹)

خاتمہ پر دوبارہ کہتے ہیں،

قصہ ہے ایک اور دو نامہ جیسے اک شخص کے ہون دو جامہ (۲۵۴)

میر صاحب نے پہلے نظم کیا میں نے بعد اٹنے ریزو پر ز کیا (۲۵۵)

جیسے بیرون میں نشان ہو کچھ اور ہم فقیر دل میں شان ہو کچھ اور (۲۵۸)

دونوں کا پلاٹ ایک ہے اور بیان ایک وزن ایک ہے اور چونکہ زمانہ تالیف ایک ہے

اس لیے زبان بھی قدرۃً ایک ہے۔ یہاں تک کہ کہیں کہیں الفاظ بھی متحد ہو گئے ہیں،

میر صاحب نے شروع کے ۲۲ شعروں میں عشق کے عام کارنامے بیان کئے ہیں مثلاً

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال	ہر جگہ او سکی اک نئی ہے چال
دل میں جا کر کہیں تو رہا ہوا	کہیں سینہ میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا	کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کسو چہرہ کا رنگ زرد ہوا	کسو محل کے آگے گرد ہوا
کبھی افغان مرغ گلشن تھا	کبھی قمری کا طوق گردن تھا

مصحفی کے ہاں بھی تمہید کے ۱۲ شعور اسی رنگ کے ہیں،

آغاز داستان میں میر صاحب اپنے ہیرو کا تعارف اس طرز و انداز سے کرتے ہیں

اک جا اک جوان خوش رعنا	لا رہ خار سرد با لا تعنا
عشق رکھتا تھا او سکی چھاتی گرم	دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
شوق تھا او کو صورت خوش سے	انس رکھتا تھا وضع دلکش سے
تھا طرہ دار آپ بھی لیکن	وہ نہ سکتا تھا ابھی صورت پن
دیکھتا گر کوئی وہ خوش پرکار	رہتا غمنازہ کش ہی میل و نہار
سر میں تھا شوق، ذوق وین تھا	عشق ہی اوسکے آبِ گل بن تھا

مصحفی کا ہیرو بھی ٹھیک ایسا ہی عاشق مزاج و حسن پرست ہوا

دردِ خونِ میر و عاشق بھی بالکل ایک ہی طریقہ سے ہوتے ہیں یعنی سیرِ حین سے دوسری  
کے بعد نگاہ ایک رنگِ زمین کی بالا خانہ پر جاتی ہے، اور طرفین کے دل فوراً بھل ہو جاتے  
ہیں، میر صاحب فرماتے ہیں :-

دیکھ گلشن کو نا امیدانہ	منہ کیا ان نے جانبِ خانہ
ناگہ اک کوچہ سے گزار ہوا	آفتِ تازہ سے دوچار ہوا
ایک غوفہ سے ایک مہ پارہ	تھی طرفِ اوس کے گرمِ نظارہ
پڑ گئی اوس پہ اک نظر اوسکی	بر نہ آئی اُسے خیر اوس کی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ	صبرِ رخصت ہوا اک آہ کیساتھ

ٹھیک یہی کیفیتِ بحرِ محبت کے میر و کو بھی پیش آئی ہے، (شعر ۲۳-۲۴)

کچھ دیر کے بعد دریاے عشق کی میروں، اُنھ کر چلی جاتی ہے، عاشقِ صاحب  
خاک پر دوٹٹے لگتے اور خونِ جگر پینے لگتے ہیں :-

بھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ پارہ	اوٹھ گئی سامنے سے یکبارہ
دل پر کرنے لگا طبعِ ناز	رنگِ پتھر سے کر چلا پرواز
طبع نے اک جنون کیا پیدا	اشک نے رنگِ خون کیا پیدا
بسترِ خاک پر گرا وہ زار	درد کا گھر ہوا دلِ بیزار

مصطفیٰ نے اس کو چہرین بھی ایک ایک قدم میر صاحب کے قائم کئے ہوئے راستہ پر اٹھایا ہے، (شہید، ۵۵)

میر صاحب اپنے ہیر و کی نوریدہ سری کی تصویر یوں کھینچے ہیں کہ  
خو ہوئی نالہ حزین کے ساتھ رابطہ آتشین کے ساتھ  
ہونٹھ سوکھے تو خون ناب ملا خواب اور غور و ذوق کو جواب ملا  
کچھ کہا اگر کوئی شفقت سے رو دیا اس نے ایک حسرت سے  
جا کے اس کے قریب بیٹھا قصہ مرنے کا اپنے کر بیٹھا  
دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا شوق نے کام کو خراب کیا  
جو کہ سمجھے تھے اس کو دیوانہ رحم کرتے تھے آشنا یا نہ  
عاشق اس کو کسو کا جان گئے سب بڑا اس ادا سے مان گئے

مصطفیٰ کا ہیر و اس حیثیت سے بھی اپنے پیشرو کا گویا بالکل مثنی تھا، (شہید، ۵۵-۵۶)

میر صاحب کے ہیر و کے عشق کا چرچا جب پھیلتا ہے، تو معشوقہ کے اہل خاندان سخت برہم ہوتے ہیں، اور عاشق کے قتل کا قصد کر بیٹھے ہیں، لیکن عاقبت اندیشی نتائج سے ڈراتی ہے، اگلے رات یہ قرار پاتی ہے، کہ اسے دیوانہ قرار دے کر ہر طرح ذلیل و خوار و رسوا کیا جائے، اور زرد کو ب کی سخت سے سخت سزا میں مجبور کیا جائے

چنانچہ اس تدبیر پر پورا عمل کیا جاتا ہے۔ ۷۰

وادیٹ اوسکے بھی بدگمان ہوئے	درپئے دشمنی جان ہوئے
مشورت تھی کہ ماری ڈالین	دفعۃً اس بلا کو یوں ٹالین
پھر یہ ٹھہری کہ ہونگے ہم بدنام	سُنکے آخر کہیں گے خاص و عام
کیا گنہ تھا کہ یہ جوان مارا	کس نے مارا اسے کہاں مارا
کچھ ایک ڈھب اسکو تنگ	تانا عائد ہوا اپنی جانب تنگ
تمتہ جھڑکھے اس کے سر	کچھ سنگسار اس کو پھر
دیکھ دیوانہ اس جوان کو قرار	ہو گئے سارے درپئے آزار
ایکے سخت کہہ کے تنگ کیا	ایک نے اس کے زیر تنگ کیا
کی اشارت کہ کو دکان شہر	آئے لبریز غصہ و پُرتہر

قریب قریب یہی سرگذشت بحرِ محبت میں بھی ملے گی، (ش ۶۹-۷۰)

لیکن یہ تمام سنگساری و خاکپاری بالکل بے اثر رہی عاشق خیالِ یار میں محو  
مست تھا اسے کسی سختی کی مطلق پروا نہ تھی عشق کی شوریدگی برابر بڑھتی گئی، اسے  
گرچہ ہنگامہ اوسکے سر پہ تھا  
ایک روئے دل اسکا اودھرتھا  
نُو تھا اس کے یہ خیال کے پنج  
تھا اگر قرار اپنے حال کے پنج

ہونٹ پر چُن کا بیان اوس کا      تھا سردنگ آستان اوس کا

جی مین کہتا کہ آہ مشکل ہے      اس طرف یک نگاہ مشکل ہے

بس تغافل ہوا تر جسم کر      گوش دل جانب نظم کر

کون کہتا ہے رہ نہ محو ساز      بر نہ اُٹا کہ جی سے جائے نیاز

میر صاحب نے اس داستان کو بہت پھیلا کر لکھا ہے، مٹھنی اس میدان میں بھی بالکل  
انہیں کے نقش قدم پر چلے ہیں اور حق یہ ہے کہ بعض اشعار بہت ہی خوب نکالے ہیں

لڑکی والوں نے جب دیکھا کہ یہ وارغالی گیا اور رسوائی روز افزون ہے، تو

راے یہ قائم کی کہ صاحبزادی کو اپنے ایک عزیز کے ہاں منتقل کر دیں، جتنا مکان

دیا کہ پارتھا، چنانچہ ایک جہان دیدہ دایہ کو ہمراہ کر کے لڑکی رخصت کر دیا، میر

صاحب فرماتے ہیں۔

عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا      مضطرب کہ خدائی خانہ ہوا

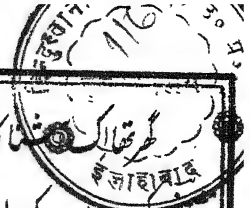
گھر میں جا ہر دفع رسوائی      بیٹھ کر مشورت یہ طہرائی

یان سے یہ غیرت مہتابان      جا کے چندے رہے کہیں نہان

شب محافذ میں کر کے اس کو ہوا      ساٹھ دھڑک دایہ بخوار

پاؤں دریا کے جلد رخصت کی      اس طرح فکر و رفع تہمت کی





دوان ہو پوش تابیہ غیرت ماہ  
 شہنشاہ کا مددگار  
 مہر کی ہیر وین کے لیے بھی بعینہ ہی تدبیر عمل میں لائی گئی، لیکن اس ٹکڑے کے  
 بیان میں تیسرے مصحفی کی داستان میں کسی قدر فرق ہے، میر صاحب کے ہاں خاندان  
 والوں نے لڑکی کو خاموشی کے ساتھ یک بیک رخصت کر دیا ہے، بہ خلاف اسکے  
 مصحفی کے ہاں جہان لڑکی کی رخصتی دکھائی گئی ہے، وہاں لڑکی والوں کی دماغی  
 دفنی کیفیات کی بھی پوری تشریح ملتی ہے اور یہ اضافہ مصحفی کے کمال کی دلیل ہے،  
 بحر المحبت کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں :-

وارث اس نازنین کے دیکھ یہ حال	لائے سو سو طرح سے ولین خیال (۱۱۹)
جب نہ بن آئی اور کچھ تدبیر	میں سوچے کہ اب بلاتا خیر (۱۱۰)
یاں لہجہ کے اس صنم کے تنین	چندے پوشیدہ رکھیں اور کہیں (۱۱۱)
پار دریا کے اک ٹھکانا تھا	ان کا کوئی وہاں یگانہ تھا (۱۲۰)
انہ اور اوں سے تھی شناسائی	دوستی یکدلی و یک جانی (۱۲۱)
اتحاد و جگانگت بھی تھا	اتحاد و موافقت بھی تھا (۱۲۲)
شاہد مہر جب ہوا رو پوش	اور شب آئی ہو گلیم بدوش (۱۲۳)
ایک محاذ میں کر سوار سے	ساتھ دایہ کے بھیجا پار سے (۱۲۴)

کہ دیبا یوں کہ بیان یہ رشک بہا  
 ان دنوں رات دن بے تھی زار (۱۳۵)  
 خود بخود اس کے دل پہ غم تھا کچھ  
 بے بہت متصل الم تھا کچھ (۱۳۶)  
 دن کو بستر پہ زار رہتی تھی  
 شب کو اختر شمار رہتی تھی (۱۳۷)  
 خواب اور خورین اگیا تھا تھو  
 اوس کو تبدیل مکان تھا ضرور (۱۳۸)  
 اسلئے ہم نے اوس کو وان بھیجا  
 کہ بیابان کی راس لے ہوا (۱۳۹)

ناظرین دونوں تنویں کا مقابلہ کر کے پڑھیں تو خود نظر آجیگا کہ اس موقع پر مصحفی  
 کا بیان بہت زیادہ نفسیات بشری کے مطابق ہے،

گھر سے محافہ جو نہی نکل کر روانہ ہوا ہے عاشق کو بھی خبر ہو گئی ہے، اور وہ ساتھ  
 ہو لیا ہے، میر و مصحفی دونوں نے اس موقع پر جذبات عشق کی تشریح کی ہے، میر  
 صاحب فرماتے ہیں:

گھر سے باہر محافہ جب نکلا  
 اوس جوان پاس سے تکتا نکلا  
 طیش دل سے ہو کے یہ آگاہ  
 ہو لیا ساتھ اس کے بھر کر آہ  
 جس سے جی کو کمال ہو الفت  
 جس سے دلی درست ہو نسبت  
 جنبش اس کی پلک کو گردان ہو  
 دل میں بیان کاوش نمایاں ہو  
 یار کو در دچشم گر ہو دے  
 چشم عاشق ہو میں تر ہو دے

مصطفیٰ نے ان واردات قلب کی تصویر زیادہ تفصیل اور خوش اسلوبی کے ساتھ  
کھینچی ہے، (بحر الحبست شعور ۳۲ تا ۱۶۱)

بالآخر جب طاقت مضبوط نہ رہی، تو دل کے جذبات زبان پر آ گئے، دریا سے  
بُشتِ مین ہے ۷

رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے      اڑنے لائے جگر کے پر کاے  
اضطرابِ دلی نے زور کیا      دل نے بے اختیار شور کیا  
دل کے غم کو زبان پر لایا      آفتِ تازہ جان پر لایا  
کائے جفا بیشہ و تغافل کیش      اک نظر سے زبانِ مین کچمیش  
نہ چھپایا ہے تو نے اس پر بھی      نگہ التفات ایسے بھی  
اس طرح کہ بہت سے اشعار مین مصطفیٰ کے ہاں یہ نقش ہاں ذرا اور  
اجاگر ہو گیا ہے، (شعور ۱۶۲-۱۶۳)

وایہ ایک ہی جہان دیدہ تھی، یہ آوازِ سرگودہ عاشق کو اپنے پاس بلاتی ہو،  
اور امید وصل دلا کر اسے اپنے ہمراہ کشتی پر بٹھالیتی ہے، ۷

گوشِ زردِ دایہ کے ہوئے یہ سخن      تھی وہ استادِ کارِ حیلہ و فن  
پاسِ اوس کو بلا، تسلی کی      وعدہ وصل سے تشفی کی

زار نالی نہ کر شکیا ہو      عشق کار از تانہ رُسا ہو  
 سخت دل تنگ تھی یہ غیرت ما      قطع تجھ بن نہ ہو سکی تھی راہ  
 بزم عشرت کرین گئے ہا ہم سنا      ہو جو اپنی دوست کا دمساز  
 دیکر اس کو فریب ساتھ لیا      دل عاشق کو اپنے ہاتھ لیا  
 مصحفی کے ہاں یہ حکایت کسی قدر تفصیل کے ساتھ دہرا دی گئی ہے، سن ۱۸۷۱ء  
 جان باختہ عاشق، مجاہدہ کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو لیا، دایہ کا مقصد بہانہ سے  
 اسکی جان لینا تھا جب کشتی وسط آب میں پہنچی، تو دایہ نے معنوقہ کی جوتی دریا  
 میں پھینک دی، اور عاشق سے کہا، کہ اگر پاس عشق و دعویٰ محبت ہے تو اتر  
 جوتی کو نکال لا، اور اگر جان عزیز ہے، تو خواہ مخواہ عاشقی کو کیوں بدنام کیا ؟  
 میر صاحب ارشاد کرتے ہیں،

بیچ دریا کے دایہ نے جا کر      کفش اس ٹھل کی اوسکو دکھلا کر  
 پھینکی پانی کی سطح پر یک بار      اور بولی کہ ادھر جا کر  
 جفت تیری نگار کی پاؤں پر      موج دریا سے ہوئے ہم خوش  
 غیرت عشق ہے تو لا اوسکو      چھوڑ مت یوں برہنہ پا اوسکو  
 اس طرف آپکے اوترنا ہے      اس نواحی کی سیر کرنا ہے

پاؤں اسکے جوہن نگار آلود      ظلم ہے ہوئیں گریباں آلود  
 جس کعبہ پاکو رنگ گل ہو بار      منصفی ہے کہ خار سے ہونگلا  
 ان پر نرمی مین گل سے ہون جوڑ      آبلہ چشم کو سیاہ کرے  
 یہ رو ہے تو اپنے حال پر رو      مفت ناموس عشق کو مت کھو  
 جی اگر تھا عزیز اسے ناکام      کیوں عبث عشق کو کیا بدنام

مصحفی نے درمیان کے بہت سے اشعار حیلہ زمان (۱۹۵-۱۹۵) خوش دریا (۱۹۶-۱۹۶) وغیرہ سے متعلق اصرافہ کئے ہیں، اس کے بعد دایہ کی اس چال کا ذکر کیا ہے (۱۹۶-۱۹۶) مصحفی نے اس موقع پر جو نکتہ بلاغت مرعی رکھا ہے، وہ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے، دایہ میں جوتی پھینکنے کے بعد میر صاحب نے دایہ کی زبان سے اپک بلی ری تقریر نقل کر دی ہے جو آٹھ شعرون میں آئی ہے اور جس میں طرح طرح کے واسطہ دلا کر عاشق کو اوس کے نکال لانے پر اوکسایا ہے مصحفی نے اس ساری تقریر کے بجائے اس مفہوم کو صرف تین نقطوں میں ادا کر دیا ہے۔

”ہاں میان لینا“

بلاغت کے رمز شناس جانتے ہیں کہ یہ طریق ادا اس موقع کے لیے کتنا مناسب مؤثر ہے، طویل تقریر کے لیے اس موقع پر نہ وقت نکل سکتا تھا، اور نہ ایسے جاناہز

عاشق کے لیے مطلق حاجت تھی، کہ اسے نیرت دلا کر اس کے لیے آمادہ کیا جائے  
اس کے لیے تو صرف چشم و ابرو کا اشارہ کافی ہو سکتا تھا، مصحفی نے ساری رویداد  
تین شعرون میں بجائے میر تقی کے گیارہ شعرون کے قلمبند کر دی ہے،

پہنچی کشتی جو پنج میں اک بار ہوئی سرگرم حیلہ و غدار (ش ۷۲۰)

امتحاناً بروئے مسئلہ آب یعنی کشتی اپنی ہی کی کی پر تاب (ش ۷۲۱)

تھا جو منظور او سکو جان لینا پھر کہایہ کہ ہاں میان لینا (ش ۷۲۲)

میر صاحب کے عام مرتبہ استاد ی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، لیکن اس موقع پر

مصحفی نے ان سے بڑھ کر اپنے کمال کا ثبوت دیا ہے، بہر حال کشتی کے گرتے

ہی جو ان دریا میں کودا، کو دے ہی ڈوبا، اور ایسا ڈوبا کہ پھر نش تک نہ او بھری

میر صاحب اس غرقابی پر یوں افسوس بہانے ہیں ۷

کچھ گیا قمر کو وہ گوہر ناب غمی کشتی عشق کی گرتہ آب

کہتے ہیں ڈوبتے او چھلتے ہیں ڈوبے ایسے کوئی نکلتے ہیں

ڈوبے جہان کہیں وہ جانیکے غرق دریاے عشق کیا نکلتے

مصحفی نے یہاں بھی ذرا زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے، اور عشق کی عام قربانیوں

پر نوہ کیا ہے (ش ۷۲۳-۷۲۴)

لڑکی نے چند روز (بہ قول میر صاحب کے ایک ہفتہ) کے بعد دایہ سے انا کہ  
جو باعث رسوائی تھا، وہ تو غرق ہی ہو گیا، مجھے گھر واپس بچلو، یہاں میری صیعت  
کو اور دشت ہوتی ہے، اب گھر چلنے میں کیا مضائقہ ہے،

قصہ کو تاہ بعد یک ہفتہ	اے کہ وہ رشک مہ ز خود رفتہ
کہنے لگی کہ اب تو لے دایہ	ہو گیا غرق وہ سر و مایہ
اب تو تنگ درمیان ہو گیا	آرزو مند اس جہان گیا
شور فتنے تھے اس ملک سار	اب تو بدنامیاں نہیں بائے
مصلحت ہو کہ جھکولے چل گھر	ایک دو دم رہینگے دریا پر

مصحفی نے اس تقریر کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ ادا کیا ہے، (۲۵۵ - ۲۶۰)

البتہ اس سلسلہ میں اُنکا ایک شعر کی قدر توضع طلب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ،

ایک دن دایہ سے کہا اگر	جھکوا کثر رہے ہو در جگر شہ
گھر کو بچل کہ جس کا تھا خطرہ	ابو وہ مدعی جان نہ رہا شہ
کون جانے ہو وہ کدھر کو گیا	مر گیا یا کسی نگر کو گیا شہ

لڑکی کو اس جوان کے غرق ہو جانے کا ابھی طرح علم تھا، پھر اس کا شک و اشتباہ  
کے لہجہ میں یہ کہنا کہ خدا معلوم وہ کہاں گیا، زندہ بھی ہے یا کسی شہر کو چلا گیا، صرف

یہ سستی رکھتا ہے کہ لڑکی نے اپنے تئیں جوان کے انجام سے قصداً انجان بنایا، تاکہ  
 دایہ کو ذرا بھی بدگمانی نہ پیدا ہو سکے،

دایہ اگرچہ بڑی جہانزیدہ و بختہ کا رتھی، تاہم اسکی معاملہ فہمی و زیرکی، عشق کی بیگزین  
 اور کارساز دیون کا مقابلہ نہ کر سکی، لڑکی کی اس خواہش کو اس نے بخوشی منظور کر لیا  
 اور کہا کہ بیشک اب گھر چلنا چاہیئے، سب اعزہ کا دل خوش ہوگا، میر صاحب :-

دایہ بولی کہ اے سراپا ناز	حسن کا تیرے در پہ رو نیاز
کون مانع ہے گھر کے چلنے کا	سدرہ کون ہے نکلنے کا
ہو مجا زین دل خوشی سے سوار	شاد شادان کر آستے تو گزار
دل سے اپنے پدر کے غم کم کر	مادر مہربان کو خسر م کر
کر ملاقات ہمدیون سے تو	گرم بازی ہو محرمون سے تو

بحر محبت میں بھی مضمون ڈھرایا گیا ہے (ش ۲۷-۲۸) اور عشق کی فریب کاریوں  
 اور سحر طرازیوں کا راگ، سوز و گداز کی لے میں الاپا گیا ہے (ش ۲۹-۳۰)  
 غرض روانگی ہوئی، دوہر کو کشتی وسط دریا میں پہنچی، اس وقت لڑکی ظاہری  
 بھولے پن کے کیساتھ دایہ سے دریافت کرتی ہے، کہ خرابتا نا تو وہ شخص کس  
 مقام پر ڈوبا تھا ؟



حرف زن یوں ہوئی کہ اودا  
 یان گرا تھا کمان وہ کم مایہ  
 موج سے تھا کہ ہر کو ہم آغوش  
 تھا کلام سے کس طرف ہم دوش  
 تجھ کو آیا نظر کہان آکر  
 پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جا کر  
 جھکو دیکھو نشان اوس جا کا  
 مین بھی دیکھو نرغوش دریا کا  
 بحرِ لہجہ تین اس گفتگو کے علاوہ وہ تقریب بھی درج ہے، جو پردہ نشین محبوب نے  
 اس موقع پر زبان حال سے اپنے غرق شدہ عاشق سے کی ہے۔ (شہ ۲۱۶-۲۱۷) اور  
 یہ اضافہ قدرۃً پر تائید ہے،

وایہ اس مقام کا نشان دیتی ہے، محاذ نشین بلاتامل کو دپڑتی ہے اور  
 چشم زدن مین غرق ہو جاتی ہے ۷

سنئے ہی یہ کمان کمان کر کر  
 گھر پڑی قصد جان کر کر  
 موج ہراک کند شوق تھی آہ  
 اس کو برنگ مار سیاہ  
 حن موجوں مین یوں نظر آد  
 نور ہتاب جس سے لہر لے  
 کشش عشق آخر اس مہ کو  
 بیگی کھینچتی ہوئی یہ کو

بحرِ لہجہ تین اس حکایت کو بہ تنویر الفاظ نقل کر دیا ہے، شہ ۲۲۱-۲۲۲  
 ملا حوں اور پیر اکون نے بچانے کی انتہائی کوشش کی، مگر ناکام رہے، نقش

ہمک نہ پاسکے، دایہ سر پٹی ہوئی گھڑاتی ہے، اعزہ حادثہ کی خبر سنتے ہیں، اور سب کے  
سب ماتم کرتے لب دریا پہنچے ہیں سے

کو دے غواص اشنا سارے      تا بہ مقدور دست پامارے

کھینچ کے آہ سب ہوئے بیٹا      نہ لگا ہاتھ وہ دُرنا یا رب

سر پٹتی جو گھر گئی دایہ      آفت تازہ لے گئی دایہ

اب و غم مادر و برادر سب      خاک افشان بہ مرنالہ لب

سوئے دریا روان ہو گئے گریان      آتش غم دل و جگر بریان

متصفی کے اوراق میں اس منظر کی بھی مصوری اور زیادہ وضاحت و تاثیر  
کے ساتھ کی گئی ہے، (شعر ۳۳۲-۳۳۹)

بالاخر دریا میں جال ڈالے گئے، بن حبیب و محبوب دونوں کے جسم  
ایک دوسرے سے ہم آغوش نکلے ہیں، اور یہی اس ٹریجڈی (افسانہ غم) کا  
آخری سین ہے۔

وام داردن سے سبے کام دیا      آخر ادن کو اسیر دام کیا

نکلے باہر دے سوئے نکلے      دونوں دست دہلی ہوئے نکلے

ایک کا ہاتھ ایک کی بالین      ایک کے لب کو ایک سے تسکین

جو نظر اُن کو آن کرتے تھے      ایک قالب گمان کرتے تھے  
کیون نہ دشوار ہوئے انکے فصل      جان دیکر ہوا ہو جکا وصل

مصحفی کے مرثیہ میں بھی مقطع کا بند ہی ہے اشعار ۳۳۱-۳۵۱

تصریحات بالا سے معلوم ہوا ہو گا کہ میر و مصحفی دونوں نے ایک ہی بحر میں شاعری کی ہے، میر کی افضلیت و اولیت تمام اردو شاعروں کے مقابلہ میں مسلم ہے، لیکن اس مخصوص میدان میں جیسا کہ اوپر کئی بار اشارہ کیا جا چکا ہے، مصحفی کا بڑھکتا ہوا نظر آتا ہے، اس کا سبب خواہ یہ ہو کہ اُن کے سامنے ایک نمونہ پیشتر سے موجود تھا، اور اور نقش ثانی نقش اول کے مقابلہ میں آسان تر و بہتر ہوتا ہے، خواہ کچھ اور ہو، واقعہ بہر صورت یہ ہے کہ مصحفی کی مصوری متقنہ ہے حال سے قریب تر اور جذبات بشری کے زیادہ مطابق ثابت ہوئی،

با اینہم میر پھر میر ہیں، اُنکے قلم سے متعدد اشعار اس قدر دل نشین اور دھلے ہوئے نکلے ہیں، اور جنہیں اس مخصوص افسانہ سے قطع نظر کر کے عام واردات قلب اس خوبی سے بیان بیان کیے گئے ہیں کہ بے اختیار زبانوں پر چڑھ گئے ہیں، اور فرط قبولیت سے قریب ہے کہ ضرب اشل کے درجہ تک پہنچ جائیں، مثلاً

عشق جو تازہ کار تازہ خیال      ہر جگہ اکی اک نئی ہو چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا  
کہیں سینہ میں آہ سرد ہوا  
حسن کا اثر قلب عاشق پر

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی  
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ  
صبرِ رخصت ہوا اک آہ کیساتھ  
تب و طاقت نے یونانی کی  
چاک کے پھیلے پاؤں لانا تک  
خموئی نالہِ حنین کے ساتھ  
بمقراری نے کچ ادائی کی  
ہاتھ جانے لگا گریبان تک  
رابطہ آہ آتشین کے ساتھ

عشق کی ازلی حرمانِ نصیبی

کہتے ہیں ڈوبتے ادھلتے ہیں  
ڈوبے جو یاں کہیں وہ جانکے  
ایسے ڈوبے کوئی نکلتے ہیں  
غرق دریاے عشق کیا نکلتے

حسن و عشق میں مناسبت

یار کو درد چشم گر ہوئے  
چاک دامن ہے دان پئے نیت  
چشم عاشق ہو میں تر ہوئے  
یاں گریبان ہو چاک گل کی صفت  
دان و دہن تنگ یاں ہو دلتنگی  
حسن اور عشق میں ہے یک رنگی

معافی کے ہاں بھی اس نوعیت کے اشعار نکل آئیں گے، لیکن کم تر،

# شہنوی

## بحر الجہت

- |   |                            |                               |
|---|----------------------------|-------------------------------|
| ۱ | لب زخمِ قلم ذرا واہو       | تا کہین تجھ سے نالہ پیدا ہو   |
| ۲ | ساتھ کاغذ کے عشق بازی کر   | یعنی کچھ داستان طرازی کر      |
| ۳ | کسی خستہ جگر کے حال کو لکھ | کسی سرورِ روان کی چال کو لکھ  |
| ۴ | ناشکبہ کسی کی دکھلا دے     | دلفریب کسی کی لکھو ادے        |
| ۵ | کہین (پچاک) آہ کر تحریر    | دے بنا زلف کی کہین زنجیر      |
| ۶ | قصۂ عشق لیلیٰ و مجنون      | گرچہ کچھ اس قدر نہ تھا مضمون  |
| ۷ | تیری طراحوں سے دور کھنچا   | کئی اہل سخن نے اسکو لکھا      |
| ۸ | مبتذل عشق کا نہ ہو مضمون   | عشق موزون کو بھر بھی کر موزون |

۱۔ "بحر الجہت مصحفی بحرِ ابیاء عشق میر تقی رب" ۲۔ م "پچاک" (الف) "تجلی" (حاشیہ الف)

پچاک (ب) ۳۔ "مضمون" (ب) ۴۔ "کچھ" (ب) ۵۔ "کہا" (ب) ۶۔ "تو" (ب)



- ۲۰ گاہ گلزار کی طرف جاتا  
۲۱ گاہ کرتا نظارہ درو بام  
۲۲ از دحام (زنان) جہان ہوتا  
۲۳ کیا کون ایک دن وہ خوش پرکا  
۲۴ گھر کو آتا تھا عشق بازا نہ  
۲۵ کہ کسی کو چہ مین جو جان نکلا  
۲۶ دل تھا اس کا بخور عشق آمادہ  
۲۷ یعنی اک نازنین گل رُخسار  
۲۸ اس کی آنکھ اُس پہ اسکی اس پڑی  
۲۹ جون یہ اس کے سما گئی جی مین  
۳۰ دل نے جب (لاگے) راہ پیدا کی  
۳۱ حوصلہ خون (مژہ سے ہو کے بہا)
- ۲۰ جی کو گل پھول ساتھ بہلاتا  
۲۱ گاہ تھا گوچہ گردی اُسکا کام  
۲۲ آب ہو کر وہاں روان ہوتا  
۲۳ کر کے سیر چمن بفصل بہار  
۲۴ گل بدستار (نوجوانانہ)  
۲۵ اس کے بھی دل کا مدعا نکلا  
۲۶ ہو گیا اک جگہ پہ دلدادہ  
۲۷ ہوئی غزفہ مین اُس سے آکے دوچا  
۲۸ یکدر گر جب بسم نگاہ لڑی  
۲۹ وون کچھ اسکے بھی آگئی جی مین  
۳۰ لب خاش نے (آہ) پیدا کی  
۳۱ ضبط پر ضبط (کچھ نہ اس کا) رہا

۱۳۷ "اردہام" (ب) . . . . . ۱۳۷ "زمان" (الف) ۱۳۷ "نوجوان" یا "نوجوان" ۱۳۷ "ایک کوچہ"

۱۳۷ "جو جان نکلا" (ب) ۱۳۷ "اسکے دل کا بھی مدعا نکلا" (ب) ۱۳۷ "دل جو تھا اسکا" (ب) ۱۳۷ "میں نے" (ب) ۱۳۷ "م"

۱۳۷ "مژہ پہ بہا" (ب) ۱۳۷ "اسکے کچھ نہ" (ب)

آنکھیں بے اختیار بھر آئیں

اشکِ آمالِ نفا رہ ہوئے

عائز رنگ کر گیا پرواز

لب کو دندان کے ساتھ ربط ہوا

دل کے ٹکڑے جگر کے پرکائے

جب کہ مانند تیر خورده شکار

دیکھ اُسے رفتہ دل بھدا انداز

پہلے شعلہ سا کچھ بلند ہوا

ورقِ غمِ بین جو تھی تصویر

جون ہی نظرون سے چھپ گیا ڈوا

جان مضطر ہوتن سے جانے لگی

خشکی دوڑی جگر سے تاب زبان

بسکہ حال اس گھڑی تباہ ہوا

پاسِ ناموس کا اٹھا کھٹکا

پلکینِ ندیان سی کچھ (نظر آئیں)

جگر و دل ہزار پارہ ہوئے

ہو گیا صوہ صیدِ چنگل باز

لوگ سمجھے کہ اس کو خط ہوا

آنکھوں نے اُسکے آگے لا ڈالے

وان سے خیش ہوئی اسے دشوار

اُٹھی غم سے وہ سراپا ناز

پھر وہ غم (میں دو ہیں) بند ہوا

صاف غائب ہوئی وہ بدرِ میر

نظر آیا جوان کو روزِ سیاہ

بخود ہی بینِ غشی سی آنے لگی

اشکِ آہی گئے سرِ مرگان

متصل صرف آہ آہ ہوا

سر کو اس آستان پہنچے پٹکا

آئینہ مائل اشکِ اہائے نظارہ ہوئے (الف) آئینہ دہنِ رب، آئینہ گئی رب، آئینہ یونِ قلوب، آئینہ حرفِ رب، آئینہ سے (ب)



۴۔ شیشہ دل کو چو ر چو رکیا  
 ۵۔ گئی سو بار سوئے غم نہ نگاہ  
 ۶۔ پیرہن چاک کر کے دور کیا  
 ۷۔ پر نہ آئی نظر وہ غیرت ماہ  
 ۸۔ بیتش دل نے بات ہی کھو دی  
 ۹۔ جان ہونٹوں پہ آئی آہ کے ساتھ  
 ۱۰۔ سو بزش دل دو چند ہونے لگی  
 ۱۱۔ صبر بھاگا بدیدہ گریبان  
 ۱۲۔ آہ حسرت کا گھر بنا دل دار  
 ۱۳۔ سر سے آتش بلند ہونے لگی  
 ۱۴۔ ہاشکی سے بندھ گیا پیران  
 ۱۵۔ گرم پہلو کیا بہ بستر خار  
 ۱۶۔ صبح آسا کیا گریبان چاک  
 ۱۷۔ سر پہ اس کے اک ازدحام ہوا  
 ۱۸۔ بہ تبسم ہوئے تماشا نی  
 ۱۹۔ وہ رہا دیکھ اس کو حیران دار  
 ۲۰۔ در (جہان) تھے مرگ تک یاری  
 ۲۱۔ آئے ٹھہرے کفر سے ہوئے کہ چلے  
 ۲۲۔ اس کی حالت تباہ دیکھ چلے

۱۔ "پیش" (ب) ۲۔ "لو" (ب) ۳۔ "بہر" (ب) ۴۔ "عیرت" (ب)

۵۔ "ازدحام" (ب) ۶۔ "ب مین غایب"

- ۵۹ انقض ہو نہی گزرے جب کئی ماہ  
 ہوئی اسکے عجی دل میں اسکی راہ
- ۶۰ اس کو بھی اک خیال رہنے لگا  
 جی ہی جی میں ملال رہنے لگا
- ۶۱ صاحب خانہ تھا زبس (نک) غیور  
 دیکھ کر اُس گلی میں یہ شر و شور
- ۶۲ مشورت ہر کسی سے کرنے لگا  
 مارے غیرت کے سخت مرنے لگا
- ۶۳ ختم گاہے کہے کہ مار ہی ڈال  
 جو نہ بنے اس بلا کو سر سے ٹال
- ۶۴ لطف گاہے کہے کہ تامل کر  
 دیکھ ہوتا ہے کیسا تامل کر
- ۶۵ قتل عاشق روا نہیں ہرگز  
 یہ کسی نے کیا نہیں ہرگز
- ۶۶ دیکھ کرے گا تو ہوئے گا بدنام  
 اپنے مذہب میں جو بُرا ہے کام
- ۶۷ آخر کار تھے جو محرم کار  
 ایک دن اُن کو جمع کر اک بار
- ۶۸ مصلحت جو ہوا کہ کیسا کیجے  
 کچھ مجھے اس کا مشورہ دیجے
- ۶۹ کیونکہ سر سے ملے یہ رسوائی  
 تب انھوں نے یہ بات دھڑائی
- ۷۰ یعنی او باش کو چسہ و بازار  
 کچھ نہ کچھ اس کو دیوین آزار
- ۷۱ اسپر گو سیکر دن ستم ہوئیں  
 پر نہ بدنام جس میں ہم ہوئیں
- ۷۲ جب یہ ٹھہری تو کو دکان شریہ  
 ساتھ لیکر گئے اپنی جسع کثیر

ملے م ملے تامل (دالت) ملے ۱۱ او (دالت) ملے م۔ الف میں یہ نقطہ کرم خوردہ تھا،

ایک بیک اس جوان پر دھائے  
 سنگساری کسی نے اُسپر کی  
 کوئی اس سے بقرہ پیش آیا  
 کوئی تلوار سے ڈانے لگا  
 ہاتھ کھینچا کسی نے اُس کا بزور  
 کوئی بولا کہ یان سے اٹھ جا بے  
 کچھ کسی نے کہا خنوت سے  
 اس کو دو زون کی کچھ نہ تھی پروا  
 تھا ز خود رفتہ اس کی یاد کے بچ  
 گرہ تھا اس کے سر پر حشر بپا  
 پیش چشم اُسکے اس پر ہی کا خیال  
 لبِ خامش سے گفتگو اُس ساتھ  
 کبھو پاؤں پر سر کو رکھ دینا  
 کبھو کہنا کہ میں ترے قربان

لڑکے کہا آئے اک بلا لائے  
 خاکساری کسی نے اُس پر کی  
 طعنہ زن کوئی تسمائش آیا  
 اُس پر برچھی کوئی اٹھانے لگا  
 کوئی غصہ سے آیا برسرِ رشور  
 سانگ لایا ہے تو یہاں کیا بے  
 کوئی بولا جو راہِ شفقت سے  
 کہ وہ زہنا را پ ہی مین نہ تھا  
 ہو گیا تھا گم اتحاد کے بیچ  
 پر نہ دیکھے تھا تک وہ سر کو ادھا  
 (اور) غم سے کی کا فری کا خیال  
 اس خرابہ مین آرزو اُس ساتھ  
 کبھو چٹ چٹ بلائیں سے لینا  
 آرزو ہے کہ جاؤں سے (میری جان)

۱۴۴۴ھ دھائے (ب) ۱۴۴۴ھ خاکساری (ب) ۱۴۴۴ھ آواز (ب) ۱۴۴۴ھ ات مین یہ الفاظ کرم خورد ہوئے ۱۴۴۴ھ  
 (الف) ۱۴۴۴ھ ات مین یہ الفاظ کرم خورد ہوئے

۸۷	کبھو کہنا کہ غوفہ میں آ تو	اپنا دیدار پھر بھی دکھلا تو
۸۸	جان آنکھوں میں آئی ہے میری	تو بھی بے اعتنائی ہے تیری
۸۹	گھر میں جا بیٹھتے ہیں پردہ نشین	پر نہ ایسے کہ پھر نہ نکلیں کہیں
۹۰	پاس الفت سے راہ رکھتے ہیں	بام (دو) و رنگاہ رکھتے ہیں
۹۱	ہاتھ غوفہ سے گر نکالتے ہیں	اس سے اتنا دہ کو سنبھالتے ہیں
۹۲	کبھو کرتے ہیں بن بشکل پری	بسر صحن بام جلوہ گری
۹۳	کبھو روزن پہ رکھو کے چشم سیاہ	دور تک پھینکتے ہیں تیرے نگاہ
۹۴	دیکھتے ہیں کسی غریب کا حال	اور دکھاتے ہیں اس کو اپنا حال
۹۵	نہ کوئی آشنا نہ ہمدم ہے	ہے جو ہمدم تو ہیں تیرا غم ہے
۹۶	ایک تو ہوں میں زبست بزار	تپہ کھینچوں ہوں سیکڑوں آزار
۹۷	کوئی آکر مجھے ستاتا ہے	کوئی تیغ و تیرہ دکھاتا ہے
۹۸	کوئی آمادہ ملامت ہے	کوئی نشر زن شاعت ہے
۹۹	کوئی مجھ سے مکان چھڑاتا ہے	یار کا آستان چھڑاتا ہے
۱۰۰	کوئی کہتا ہے یہ سودائی	یاں سے بہتر ہے اس کی (بیجائی)

شہم۔ کے (الف) (ہم) (چشم) (الف) (سے) (مونس) (ب) (ہمدم) (طائیف) (سے) (م)

۱	مچھ پہ دن رات (اب غدا ہے)	ایک جان اور اضطراب ہو یہ
۲	موت آتی نہیں کہ چھاؤں	تو ہی، بتا کہ میں کہ مر جاؤں
۳	اپنی ہستی کا اب تو تنگ ہوں میں	بھر میں بلکہ جی سے تنگ ہوں میں
۴	سوئے تیغ ننگ اشارہ کر	ہام پر آکے نک نظر رہ کر
۵	میرا قصہ ہی انصرام کرے	کہ میرا کام بس تمام کرے
۶	کب تک ان مصیبتوں میں رہوں	کب تک ان اذیتوں کو سہوں
۷	رہ نہ پردہ میں تو بھی رشک پری	چاہ کی ہو گئی ہے پردہ درمی
۸	بھوسے چھوٹا نہیں خیال تیرا	کہ نہایت تہہ ہے حال میرا
۹	صبر کرتا یہ کیا کروں کہ نہیں	اے کب تک جیا کروں غمگین
۱۰	کچھ نہ پھر پاس نام و تنگ رہا	ات دن اسکا جو یہ دھنگ رہا
۱۱	پر نہ غر فہمین وہ پری آئی	پلٹ گئی طول اس کی رسوائی
۱۲	نہ رہا حق و عشق میں پردہ	قصہ مشہور ہو گیا اس کا
۱۳	ہے اُسی نازنین کا عاشق زار	جنی افشا ہوا یہ سینہ فگار

شہ "میں (ب) شہ کے عذابین (ب) شہ مہر (ب) (ا) شہ م۔ الف میں یہ لفظ کر م خوردہ تھا

شہ "بھی" (ب) شہ "چھٹا" (ب)

برق سی (کوئدتی) ہوا آہ اوسکی	نت سوئے غزفہ ہے نگاہ اوسکی
رہا ہے اُسکو دل کی چاہوں سے	منہ نہیں موڑتا جھاؤن سے
لائے سو سو طرح سے دلمین خیال	وارث اس نازنین کے دیکھو حال
(یہی سوئے) کہ اب بلاتا خیر	رجب نہن آئی اور کچھ تدبیر
چندے پوشیدہ رکھین اور کہین	یان سے بجا کے اس صنم کے تمہیں
پھر یہ دلدادہ یان بجے کہ مرے	طور پر اپنے وان یہ زلیست کرے
اُن کا کوئی وہاں یگانہ تھا	پار دریا کے اک ٹھکانا تھا
دوستی یکدلی و یک جائی	ان سے اور اُن سے غمی شناسائی
اتحاد و موافقت بھی تھا	اعتماد یگانگت بھی تھا
اور شب آئی ہو گلیم بدوش	شاہر مہر جب ہوا رو پوش
ساتھ دایہ کے بھیجا پار اُسے	اک محافظین کر سوار اُسے
ان دنوں (رات دن ہے تھی) زار	کہہ دیا یون کہ یان یہ رشک بہا
بے بہت متصل الم تھا کچھ	خود بخود اس کے دل پہ غم تھا کچھ

نہم کو دتی (الف) جی (ب) آئے جاؤن سے (ب) آئے کے (ب) آئے مہن آئی جب (ب) آئے

تہرہ سوچی (ب) آئے رہتی ہے بہت ہی (ب)

دن کو بستر پہ زار رہتی تھی      شب کو اختر شمار رہتی تھی  
 خواب اور غور میں آگیا تھا قصو      اس کو تبدیل تھا مکان ضرور  
 اسلئے ہم نے اس کو دان، میجا      کہ بیابان کی راس آئے ہوا  
 مثل گل داہوا اسکا غنچہ دل      ٹلے چھاتی سے اُسکے غم کی سل  
 لطف اٹھا دے ہو اُسے صحرا کا      دیکھے داشتہ جباب دریا کا  
 کہ محافظین اس پر می کو سوار      لے چلی جب وہ دایہ، سکار  
 جون ہی باہر وہ رہ گزر سے ہوا      گزر اس کا جوان کے سر سے ہوا  
 بوئے اُٹس اس کو اس سے آہی گئی      اس کی آنکھ اُس کی گھات پاہی گئی  
 دل میں اُس کے قلق نے جوش کیا      سر پہ بے صبری نے خروش کیا  
 (دان سے پائے نبات) اکھڑنے لگا      متصل سر پہ ہاتھ پڑنے لگا  
 عشق کتنا تھا تو نہ مل یان سے      جذب کتنا تھا چل نخل یان سے  
 (سچ ہے) وہ جو غلام الفت ہے      کشف (اُس کا) مقام الفت ہے  
 دل آگہ نے دی یہ اس کو خبر      کہ محافظین ہے وہ رشک قمر

۱۰ "وہاں پائے نبات (ب) اللہ و شہم۔" "تھے" (الفت) اللہ "تو (ب) اللہ" "تھے"

۱۱ "ان کا" (ب)

اب تر اس گلی مین کام ہے کیا  
جس طرف جاوے وہ اُدھر جا تو  
یہ سمجھ جب دیکھ اس کے سات ہوا  
دل مین دشت کہ کیا کہے کوئی  
ساتھ اس کے یہ درد مند (اسیر)  
ردایہ دشت سے پیش دپس نگران  
سر بزا نو محاسب مین وہ پر می  
دل مین گھر چھوٹنے کا اس کو ملال  
کہ یہ کیا افترا بندھا مجھ پر  
میری آنکھوں نے کس کو خویش کیا  
کس پہ خواہش سے کی نظر مین نے  
کس سے مین آہ ہم کلام ہوئی  
کس سے مین نے کیا پیام و سلام

تو بھی ہمراہ ہو برنگ صبا  
دیکھ نادان فریب مت کھا تو  
مور و چشم التفات (ہو) ا  
جی پر آفت کہ چشم خون رونی  
کشش دل کی پاؤں مین زنجیر  
پچھے دایہ کے قطرہ زن یہ جوان  
جون نفس مین ہو کوئی کبک دری  
اور رسوائیوں کا اپنی خیال  
نہر کھا کون مر گیا مجھ پر  
میری پلکوں نے کس کو بریش کیا  
چھوڑا کس سبب سے گھر مین نے  
کس سے نظارہ باز بام ہوئی  
کس کی الفت سے مین ہوئی بدنام

”یون (رب)“ ختم التفات (الف) ”ان (رب)“ مین التفات مین یہ نقطہ کرم خوردہ تھا مین

”میں“ دل کی دہشت (رب) ”پ (رب)“ ”کے (رب)“ ”جس (رب)“ ،



۳	کس کو روزن سے مین دکھائی آکھ	س سے غم (ستے) مین لڑائی آکھ
۱۴	میری دیرانی کا ہے کچھ بھی سبب	باک پردہ سے مین نے جھانکا کب
۵	کہ ٹکنا باین شتابی ہے	عجب خانمان خرابی ہے
۶۶	بجیال محال پیچیدہ	سی صورت جو ان غم دیدہ
۱۷	دے محافہ کا پردہ باڈا اٹھا	پشم (در راہ کن) برائے خدا
۵۸	جس کی خاطر مذلتیں یہ سہین	یکے ماروے ماہ پردہ نشین
۵۹	اک جھلک کا تو ہوئے نظارہ	لھول دے گو نہ اس کا منہ سارا
۶۰	اُس مین دشوار تھا گزار صبا	تھا محافہ وہ دُور یون سے کتا
۶۱	جیب پھاڑا برگ (حضرت) صبر	نہ رہی جب کہ اس مین طاقتِ صبر
۶۲	یون قرین محافہ دی آواز	برکے نالہ بطرح (سوز و گداز)
۶۳	(جی) سے گزرا مین ہائے خاموشی	کاٹھی پری چہرہ اتنی روپوشی

شہ م "مین" (ب) "شہ" "ورہ کہ از" (ب) "شہ" "باؤ" (ب) "شہ" "دیکھو" (ب)

شہ "اذیتین" (ب) "شہ م" "نہ رہا جب کہ اس مین طاقتِ صبر" (الف)

شہ "خصت" (الف) "شہ" "رکھ کے نالہ بطرح" (ب) "شہ" "کہ" (ب)

شہ م "اس" (الف و ب)

۱۶۲	نہ تو آواز ہی سُنا تی ہے	نہ تری بو ہی مجھ تک آتی ہے
۱۶۵	ہے گھٹا ٹوپ یا محافہ یہ	نک تو پردہ اٹھا دے غیرت یہ
۱۶۶	(کہ بجلا اک جھلک تو مین دیکھوں	تیری نتھ کی ڈھلک تو مین دیکھوں
۱۶۷	خوبرو کرتے ہیں تنافل سب	پر نہ اتنا کہ دھوئے محض غضب
۱۶۸	واغ ہے انتظار آنکھوں مین	خون ہے (جائے یار) آنکھوں مین
۱۶۹	تجھ کو اپنی ستم گری کی قسم	تجھ کو غمزے کی کافری کی قسم
۱۷۰	قسم اپنی تجھے تنافل کی	قسم اپنی تجھے تجاہل کی
۱۷۱	حرف زن اپنی در دمنہ سے ہو	گرم لے آتش اس سپند سے ہو
۱۷۲	سُن کے دایہ یہ اُس کے طرز کلام	ہو مخاطب با تعانت تمام
۱۷۳	پاس اس کو بلا کے آہستہ	یون لگی کہنے کاٹھی جگر خستہ
۱۷۴	یاس کو دے جواب گھر جاوے	در و حرمان سے کہہ کہ مر جاوے
۱۷۵	آہ (دو) نالائے کہہ کہ رخصت ہوں	گرم رفتار راہ (فرقت) ہوں

۱۷۵ ب مین یہ پورا شعر غائب، ۱۷۶ "ہو وہ عشوہ" (ب) ۱۷۷ "جان زار" (ب)

۱۷۸ "تجاہل" (ب) ۱۷۹ "توافل" (ب) ۱۸۰ "اے" (ب) ۱

۱۸۱ "کو" (ب) ۱۸۲ م - ۱۸۳ "کو" (ب) ۱۸۴ م - ۱۸۵ "فرقت" (ب) ۱۸۶ م - ۱۸۷

کیونکہ نزدیک ہے زمانِ وصال  
 اب کوئی دم کو (ہم و غنائی) ہے  
 جب کہ منزل پدید ہوئے گی  
 (اُس اُٹے) درو و غم کو جانے سے  
 شب کو (دل بھی) رہے گا تو اُس سے  
 کیونکہ ہے اس میں یم بدنامی  
 اک ذرا اب تو دل کو ڈھارس سے  
 تیرے آنے سے یہ صنم ہوئی شاد  
 جی سے چاہے تھی ہر ہی تیری  
 بارے اس کے بھی دل کی داد ملی  
 پیچھے پیچھے تو کیسا بجا آیا  
 غرض اس کو لگا کے باتون میں  
 جی میں ٹھانی کہ کچھ دغا کیجے  
 بھر تھا جو (اُس) ہوا وہ خواب و خیال  
 دیر منزل تلک کی باقی ہے  
 شب تری روز عید ہوئے گی  
 دور دور اس صنم کو جانے سے  
 اب کنارہ ہی خوب ہے اُس سے  
 تو چلا چل ابھی بس کا جی  
 چل کے منزل پہ جامِ عشرت (اُس) سے  
 کیونکہ ملنا تر ا تھا اُس کی مراد  
 اس کو رستہ میں یاد تھی تیری  
 حق سے مانگی تھی جو مرا د ملی  
 مثل سایہ (جو یوں) لگا آ یا  
 ہوئی (وہ) دشمنی کی گھاٹون میں  
 سر سے اس بد بلا کو د ا کیجے

(ب) "سو" (ب) "سٹھ" (ب) "وہم باقی" (ب) "سٹھ" (ب) "اب اس" (ب) "سٹھ" (ب) "ہی مل" (ب) "سٹھ" (ب) "پے"

(ب) "سٹھ" (ب) "خزان" (ب) "الف" (ب) "سٹھ" (ب) "یہ" (ب)

کیجئے رستم ہی میں کام اسکا  
 غافل از کاہ یہ ستم دیدہ  
 اس کو ہرگز نہ اشتیاق وصال  
 الحمد زکر (و) حیلہ زن سے  
 ہین جو دلال پیشگان شہر  
 زور رستم نہ چل سکے جن پر  
 ای مذکور پرتھو سب کو گوش  
 آئی رخسندگی آب نظر  
 حاملان محاذ یعنی رکھتار  
 رکھ کے چالاک سیع (کو) دل پر  
 ساتھ دایہ کے وہ جوان نزار  
 تھا جہان بحر پر مخافہ دھرا  
 گو کہ ہے وعدہ تا بہ شام اُس کا  
 تھا جو باقون میں اس کی گردیدہ  
 نہ رہا کچھ فریب زن کا خیال  
 خاصہ مکتار اور پُر فن سے  
 بازی کھاتا ہے انہ چرخ اسٹر  
 خاکساروں کی کیا چلے ان پر  
 کہ ہوا سانے سے بھر کا جوش  
 عرصہ خشکی کا رہ گیا کم تر  
 یوں چلے جلد چون نسیم بہار  
 لا رکھا اس کو گرم سہل پر  
 جس طرح قافلہ کے پیچھے غبار  
 قطع رہ کر کے (وان ہی آ) پہنچا

۱؎ ”د“ (ب) ۲؎ م۔ ۳؎ ”خام“ (ب) ۴؎ ”بتر“ (الف) ۵؎ ”ابر“ (الف) ۶؎ ”لے“ (عشق)

۷؎ ”بازون“ (ب) ۸؎ ”یہ محاسب“ (ب) ۹؎ ”تمار“ (الف) ۱۰؎ ”اور“ (الف) (ب)

۱۱؎ ”زار“ (ب) ۱۲؎ ”یہ بھی وان“ (ب)

۲۶۸ "شستر" (ب) ۲۶۹ م ۲۷۰ لے ڈوڈی تھی گئی (ب) ۲۷۱ لے تبر (ب)

پیش و پس اس پر سوار ہوئے	سب آگے محافہ دار ہوئے
دایہ کشتی میں دیدہ باز حساب	اور محافہ میں وہ پری بیتاب
شور و ریاسے اسکے دل میں نیم	غیر۔ جیسے مدت میں دُربِ تیمم <sup>۱۲۱</sup>
دور تر وہ جوان دل دادہ	جیسے تصویر ششدر استادہ
دایہ مصروف سیر آب روان	ہم (شکا فون تھے) وہ پری نگران
پہونچی کشتی جو بیچ میں اک بار	ہوئی سرگرم حیلہ وہ غدار
امتحاناً بروئے سطر آ ب	یعنی کفش اس پری کی (کی پر تائب <sup>۱۲۲</sup> )
تھا جو منظور اس کو جان لینا	پھر کہا یہ کہ (ہاں میان لینا)
ہاتھ (اس کے سے کی جو کفش تھے) جت	لیا جو جون نے اسکو دست بدست
ہوئی جا کر بزر آب روان	خاتم دست پنجہ مرجان
(تقریباً میں جب کہ جا پہونچی	سیپ کے سر پر پشت پا پہونچی <sup>۱۲۳</sup> )
ہو کے وہ کفش تاج فرق حساب	ہو گئی پل میں گو ہر نایاب

۱۲۱ "دیدہ" (ب) ۱۲۲ "ب میں شرعاً ب" ۱۲۳ "کچھ" (ب) ۱۲۴ "م۔ الف میں یہ الفاظ م

خوردہ تھے ۱۲۵ "کر تائب" (ب) ۱۲۶ "م۔ الف میں یہ الفاظ م خوردہ تھے، ۱۲۷ "سے اس کے

کفش نہ کیا" (ب) ۱۲۸ "ب میں یہ شرعاً ب"

تھا جوان بسکہ سخت دلدادہ	ہو کے ناگہ میرگ آمادہ
کفش پر کر دراز اپنا ہاتھ	آشنا یا نہ کو داہان کے ساتھ
کو دتے ہی چلا گیا نہ کو	(طے کیا) عشق آب کی رہ کو
کفش کے ساتھ ہی گیا نہ آب	ہوا خواص گو ہر نایاب
گو ہر جان نثار کفش کیا	نہ ذرا انتظار کفش کیا
کفش ساتھ اپنے اس کو لے ڈوبی	نہ غلط بلکہ پاکی محبوبی
نہ وہ اچھلا نہ کفش ہی اچھلی	عقل حیران کار اُس کی ہوئی
کو دے ہر چند غوطہ خور بھی دان	نہ ملا آب سے کچھ اسٹش کا نشان
جان (لینے پہ) عشق (کا) ہے مدار	یہی شیوہ ہے اُس کا آخر کار
(کون عاشق) ہوا کہ مرنے گیا	کس کا چاہت کی بیج گھر نہ گیا
کر سکے کون عاشقوں کا شمار	اس کے ہاتھوں مئے پرے ہیں ہزار
قیس سے اس نے دون سلوک کیا	خون دُوزن کو کہن کا جا کے لیا

۳۷ "پہنچا" (ب) ۳۸ "ہو کے" (ب) ۳۹ "خلق" (ب) ۴۰ "اُن" (ب)

۴۱ "لینا یہ" (ب) ۴۲ م۔ "کو" (الف) ۴۳ م۔ الف میں کرم خوردہ

۴۴ "کیا" (ب)

۲	کس کی طاقت کہ ہو بغور نگاہ	اُس کے طرز فریب (۱۲۷) آگاہ
۲۱	کر چکی وایہ جب کہ اس کا کام	پر مشوش ہوئی وہ ماحو تمام
۲	خاطر دایہ گرچہ جہم ہوئی	پانی پانی وہ رشک شمع ہوئی
۲۱	لیک تھا اختیار وایہ زبیں	اُس کو سوچھی نہ غسر ضبط نفس
۲۵	وان سے کشتی روان ہوئی فی الفور	کہ کہیں کچھ بلانا آوے اور
۲۴	لے گئی (اس صنم کو پار) ہشتاب	رہی وحشت میں اس کی چشم حجاب
۲۴۳	بہرین خیازہ کھینچ کھینچ مومنین	پھیلیاں غم سے ہم کنار ہو نین
۲۴۵	آب نے دل ہی دل میں کھایا جوش	لب سائل بھی رہ گیا خاموش
۲۴۶	گرچہ وہ جیلہ گر ہوئی خسرم	کشتی والوں کو تھا پر اُس کا غم
۲۴۷	یہ نہ سمجھے کہ عشق خانہ خراب	جمع کرتا ہے وصل کا اسباب
۲۴۸	اسی صورت سے وہ بھی منہ کو چھپائے	اس پر ہی کو بھی زیر آب بلائے
۲۴۹	دے کے حجت میں جام مدہوشی	دیوے (پھر رخصت ہم آغوشی) ۱۲۸
۲۵۰	طرح ہو زیر آب صحبت وصل	یون میسر موان کو غلوٹ وصل ۱۲۹

۱۲۷ م ۱۲۸ پار اس صنم کو (ب) ۱۲۹ "حیرت" (ب) ۱۳۰ "ہو گیا" (ب) ۱۳۱ م -

۱۳۲ م ۱۳۳ "میں ہی میں باغ ادا کر م خود رہتے" ۱۳۴ "غلوٹ" (ب) ۱۳۵ "اسکو" (ب) ۱۳۶ "صحبت" (ب)





۲۶	ہے سرا سگی وہی دُنبا ل	۲۶	ہے (وہی) زیت سیرجی کا دبا ل
۲۶	پاؤن کہتے ہیں راہِ صحرا لے	۲۶	ہاتھ کہتے ہیں جب (کو آ) لے
۲۶	بے کلی ہے مدام میرے تین	۲۶	کچھ ہوا صبح دشام میرے تین
۲۶	سر پہ کوہِ گرانِ غم سا ہے	۲۶	پہلوئے دل میں کچھ الم سا ہے
۲۰	پر نہیں ہیں کہ اڑکے گھر جاؤن	۲۰	جیڑکا آتا ہے کہ ہر جاؤن
۲۱	کچھ تو تدبیر میری کر تو شتاب	۲۱	بیٹھی جاتی ہوں در نہ مثل حباب
۲	(سفر دور کا ہے قاصد جان	۲	تیرے صدقہ یہ (میرا) کہنا مان)
۲	سنے (دایہ نے یوں کہا) طناز	۲	ناز پر تیرے صدقہ اہل نیاز
۲	(ہوں میں آمادہ تہیئے کار	۲	اتنی کرتی ہے مجھ سے کیوں تکرار)
۲	سچ ہے اب تو مٹی وہ بدنامی	۲	اور (سراپا زمان) ناکامی
۲۱	(دل کو خوش رکھ کنارہ کو غم سے	۲۱	اب ملایا تجھے اب دعم سے)

۱۶۵ م۔ وہ (الف) ۱۶۵ مسودا (ب) ۱۶۵ "دل" (ب) ۱۶۵ "آئے ہے" (ب) ۱۶۵ "مٹی" (ب)

۱۶۵ "میرسی" (الف) ۱۶۵ ب میں یہ شعر غائب، ۱۶۵ "بولی یہ دایہ اسے" (ب) ۱۶۵ م۔ "تجیہ" (الف)

۱۶۵ ب میں یہ شعر غائب، ۱۶۵ "سچھ" (الف) ۱۶۵ م۔ الف میں کرم خوردہ،

۱۶۵ ب میں یہ شعر غائب،

۱ پوچھنے (جوئی) سے جاتی ہوں تیری خاطر محافہ لاتی ہوں  
 ۲ ملیو تو شاد شاد مان سے پری مجھو ہمدون (مین جلوہ گرمی)  
 ۳ یان تو مضمون دایہ تھا کچھ اور عشق کا وان کنایہ تھا کچھ اور  
 ۴ (عشق سے عقل کب بسر آدے) (زور نکٹ) اسکا کیا نظر آوے  
 ۵ کون سمجھے ہے اس کی بات کوہائے کون سمجھے ہے اُس کی گھات کوہائے  
 ۶ اُس کے غنی چلن ہین سبے جدا ان سے واقف نہیں سوائے خدا  
 ۷ (اس کی گرمی سے پامی سنگ گداز ہوئے صرف نیاز صاحب نماز)  
 ۸ جان دو قالب کی ایک اس سے ہو بد ہو گریار نیک اس سے ہو  
 ۹ (ہے فریبندی (ہی) اُس کی روش نہیں زلف پری مین ایسی کشش)  
 ۱۰ جس کو اُس نے بزیر و ام لیا اُس سے ناکامیوں سے کام لیا  
 ۱۱ نہیں عشاق کُش ہے یہ جلا د اس سے معشوق بھی گئے ناشاد  
 ۱۲ نہ بچا کو (ہکن سے تاشیر) مین ساتھ خسرو کے دی سلا شیر مین

۱۳ الف مین کرم خوردہ اب مین سے جلوہ سری ۱۴ م - "ریورنک" (الف)

۱۵ مین یہ شرعائے ۱۶ مین یہ شرعائے ۱۷ م - "م" مین یہ شرعائے ۱۸ م

۱۹ م - "ب" م - الف مین کرم خوردہ ہے

مرگ یسلی کو گناہ سبقت دے	۲۷
الغرض یان کے قافلہ میں ہمیش	۲۸
ان کو باہم جدا نہ جانے کوئی	۲۸
بیو خانی و خاک کا نام ہے یان	۲۹
مردہ ان کا ہے زندہ جاوید	۲۹
ہجر میں وصل جاودانی ہے	۲۹۱
حاصل اس سے کہ دایہ غدار	۲۹۲
صبح ہی (منہ کو اپنے <sup>منہ</sup> تلے) خاک	۲۹۳
(لے محافظ چلے وہاں سے کہا)	۲۹۵
لب سائل پہ جب کہ آپہونے	۲۹۶
انتظار تو می کشم تر آب	۲۹۷
(روز پہونچا تھا کچھ قریب دو پاس	۲۹۸
بیقراری جو موج میں آئی	۲۹۹
قیس کو چند روز مُہلت دے	
حسن اور عشق دونوں میں پس پیش	
(مطلقاً بے وفا) نہ جانے کوئی	
کج ادائی ادا کا نام ہے یان	
ناامید ہی ہے یان تمام اُمید	
ہجر عاشق کی زندگانی ہے	
وان سے چلنے پہ جب ہوئی تیار	
مہر نکلا دے گریبان چاک	
آئے دریا کے متصل اک بار	
غرقہ بولا میری دعا پہونے	
غرقہ بھر، ہجر را دریا ب	
کہ ہوا اس کو انتشار حواس <sup>۸۲</sup>	
گر یہ مژگان کے اوج میں آئی <sup>۸۵</sup>	

۸۵ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۶ اپنے منہ کو لے کے (ب) ۸۷ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۸ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۹ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۰ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۱ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۲ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۳ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۴ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۵ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۶ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۷ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۸ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۹ م "مطلق بیوہ" (الف) ۱۰۰ م "مطلق بیوہ" (الف)

۸۲ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۳ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۴ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۵ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۶ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۷ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۸ م "مطلق بیوہ" (الف) ۸۹ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۰ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۱ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۲ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۳ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۴ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۵ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۶ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۷ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۸ م "مطلق بیوہ" (الف) ۹۹ م "مطلق بیوہ" (الف) ۱۰۰ م "مطلق بیوہ" (الف)

- ۱۰ دیکھ دریا کو رو دیا اس نے صبر اپنا ڈبو دیا اُس نے
- ۱۱ ہو کشتی پہ جب محاذ سوار دایہ اُس کی جو تھی امانت دار
- ۲ اس سے پوچھا کہ دایہ سچ بتلا کس مکان (پروہ خستہ ڈوبا تھا)
- ۳ کفش پھینکی تھی تو نے کس جاگہ جگہ پل ذرا تو اس جاگہ
- ۴ مین بھی دیکھو تو دانکی شورش اب (بہ مراد رسم تہ گرداب)
- ۵ رکش پر میری جی دیا اس نے یا الہی یہ کیا کیا اس نے
- ۶ یہ ترنگ اس کے جی مین کیا آئی کہین ہوتے ہین ایسے سودائی
- ۷ کفش مین ایسی کیا کراست تھی کفش والی تو مین سلامت تھی
- ۸ اس کی نادانی جی کھاتی ہے اب کوئی دم مین جان جاتی ہے
- ۹ پھر بدل کر زبان بنا زو ادا بولی وہ ناز مین ہو اسو ہوا
- ۱۰ دایہ موجوں کا پیچ تباب تو دیکھ اور یہ زنجیرہ حساب تو دیکھ
- ۱۱ کیا ہی جاتا ہے تیز آب روان ہم نے دیکھا نہ تھا کہین یہ سمان

۱۲ "تھا وہ خستہ دل ڈوبا" (ب) "جا پر" (ب)

۱۳ "جا پر" (ب) "آمد مردم را با گرداب" (دلف) "آوردہ مردم ربا ہے گرداب" (ب)

۱۴ (ب) "کو" (ب)

دوبتہ ہی بہار لایا

اب پر دے 6 ر لایا سن

۱۹۸۱ء "پیر" (رب) ۱۹۸۲ء "تماوہ ہوا" (رب) ۱۹۸۳ء م۔



اشک ریزان کوئی کوئی نالان

۳۳۷

کوئی دامن تنک گریبان چاک

۳۳۸

لب ساحل پہ از دھام ہوا

۳۳۹

دام دار آئے دام برسر دوش

۳۴۰

از پئے صید ما ہی سیمین

۳۴۱

دام پہنچا جو زیر آب تنک

۳۴۲

دو ہم آغوش دام میں نکلے

۳۴۳

لب سے لب آشناے بوسہ بذوق

۳۴۴

ساق پاساق پاسے پچیدہ

۳۴۵

سینہ سینے کے ساتھ شیر و نسکر

۳۴۶

نظر آئے وہ دونوں ماہ و منیر

۳۴۷

دیکھ اس واقعہ کو پیر (دو) جوان

۳۴۸

نہی عیدائی بہم زبس دشوار

۳۴۹

کوئی ناک ستیہ بر و مالان

کوئی حیران بازی افلاک

اتنے (نین) جو تماش دام ہوا

حلقہ اُن دامون کے تمام آغوش

پہنچے جا کر کے تال بقعر زمین

کیا کون اس سے گھڑی کی جھلک

پکے اپنے وہ کام میں نکلے

ہاتھ دونوں کے دو گلوں کے طوق

یکدگر عضو عضو گر وید

جس میں خالی ذرا نہ جائے نظر

جیسے اک آئینہ میں دو تصویر

دیر تک دان کھڑے رہے حیران

سب نے ناچار ہو کے آخر کار

۳۳۷ "حیران سے" (الف) ۳۳۸ "وہ" (الف) ۳۳۹ "وہ" (الف) ۳۴۰ "وہ" (الف) ۳۴۱ "وہ" (الف) ۳۴۲ "وہ" (الف) ۳۴۳ "وہ" (الف) ۳۴۴ "وہ" (الف) ۳۴۵ "وہ" (الف) ۳۴۶ "وہ" (الف) ۳۴۷ "وہ" (الف) ۳۴۸ "وہ" (الف) ۳۴۹ "وہ" (الف)

۳۳۷ "ایک ہی" (ب) ۳۳۸ "وہ" (الف) ۳۳۹ "وہ" (الف) ۳۴۰ "وہ" (الف) ۳۴۱ "وہ" (الف) ۳۴۲ "وہ" (الف) ۳۴۳ "وہ" (الف) ۳۴۴ "وہ" (الف) ۳۴۵ "وہ" (الف) ۳۴۶ "وہ" (الف) ۳۴۷ "وہ" (الف) ۳۴۸ "وہ" (الف) ۳۴۹ "وہ" (الف)



- ۲۵۰ خاک مین یا ملا دیا ان کو آگ مین یا جلا دیا ان کو
- ۲۵۱ (مُصْحَفِی بَس زَبَانِ دِرَازِی بَس) آفرین ہے مقام ضبط نفس
- ۲۵۲ مجھ سے یہ مثنوی ہوئی جو تمام رکھا بجز المحبت اس کا نام
- ۲۵۳ قصہ ہے ایک اور دو نامے جیسے اک شخص کے ہون دو جاے
- ۲۵۴ میر صاحب نے پہلے نظم کیا مین نے بعد ان کے ریزو پرز کیا
- ۱۵ ایک دو ریز پر زجان افروز ہونا یا اب جامہ گل و دونه
- ۱۶ کچھ نہیں ہے (مرقع<sup>۱۶</sup>) تصویر ہے مرقع دے لباس فقیر
- ۱۷ جیسے (میر و ن<sup>۱۷</sup>) مین شان ہو کچھ اور ہم فقیر و ن مین شان ہو کچھ اور
- ۱۸ ہے توقع کہ صاحب انصاف مجھ کو اس گفتگو مین رکھیں معاف
- ۱۹ کچھ میرے حق مین خیر و شر نہ کہیں نہ کہیں بد بھی نیک گر نہ کہیں (۱۹)

تَمَامُ شُعْرِی

۲۱۷ م۔ ”مرقعہ“ (الف) ۲۱۸ م۔ ”میری“ (الف)

۲۱۹ سے ۲۵۱ سے یہاں تک کے کل اشعار مین غائب مین،

# فرہنگِ اِشی

شعر ۱۔ ۲۔ تاکہ ، (زبانِ قدیم)

ش ۲۔ ساتھ کاغذ کے ۔ کاغذ سے

ش ۵۔ پیچاک، بیچ و خم، طرہ و زلف،

ش ۶۔ اس قدر، ایسا،

ش ۷۔ طراچی، بنیاد و ڈالنا، یہاں طرہ داری کے معنی میں آیا ہے،

ش ۸۔ دور کھینچا۔ دور تک پہنچا، بہت مشہور ہوا،

ش ۹۔ کو۔ کا

ش ۱۲۔ رمز بتانے۔ راز سمجھا دے،

ش ۱۲۔ ٹک، زرا۔ (زبانِ قدیم)

ش ۱۳۔ خوش ظاہر۔ خوش رو، حسین، سے

سب کے سب خوش جمال خوش ظاہر، عاشقی کے فنون کا ہر (فرہنگِ عشقِ نوابی) شوق

- ش ۱۳، پنٹ - سخت - کامل،
- ش ۱۵، اس کی نظریں چڑھی تھیں، اس کی نظروں میں چڑھی تھیں
- ش ۱۵، لاکھ نگاہ، لاکھوں نگاہیں،
- ش ۱۵، دیکھیاں تھیں دیکھے ہوئے تھیں، (زبان قدیم)
- ش ۱۵، ہزار، ہزاروں،
- ش ۱۵، "چشم سیاہ" علامت حسن و جمال ہے،
- ش ۱۶، نادرہ نادرہ، حریف
- ش ۱۶، شعورین تنقید ہے۔ "لیکن" کا تعلق مصرعہ اولیٰ سے ہے، شریوں ہوگی،  
"لیکن" یہ تقاضائے عشق بنیاد وہ اس پر بھی نادرہ تھا،
- ش ۱۷، روئے خوش، خوبصورت چہرہ، حسین شکل،
- ش ۱۷، تمک - تک (زبان قدیم)
- ش ۱۹، چشم ہیرت نگاہ تھی، چشم حیران تھی،
- ش ۲۰، گل پھول ساتھ، گل پھول سے، گل پھول کے ساتھ
- ش ۲۳، خوش پرکار، خوبصورت، خوش جمال، سے
- دیکھتا کرو کوئی خوش پرکار، دیکھتا زہ کش ہی نہیں بنا (دریا عشق، یہ تعجب میر)

ہوشیار۔ تجربہ کار۔ سادہ کے مقابل، س

اس قدر سادہ و پرکار کہین دیکھا ہے

بے نمود و نامنودار کہین دیکھا ہے (سودا)

سادگی، پرکاری، بخود ہی ہشیاری

تخن کو تامل میں جزا آزما پا پا (غالب)

ش ۲۸۔ یکدگر ہم۔ بہمدگر۔ ایک دوسرے سے،

ش ۲۹۔ جون۔ جونہی۔ جیسے ہی،

ش ۳۰۔ دُون۔ اسی وقت دیے ہی،

ش ۳۱۔ مذی۔ موجودہ زبان میں واحد و جمع دونوں بالمشدید ہے، مذی، نذیان،

ش ۳۲۔ احوال ہوئے، آکر حائل ہوئے،

ش ۳۳۔ لاڈا لے۔ لا کر ڈال دینے،

ش ۳۴۔ دوہین۔ دوہین،

ش ۳۵۔ ہو۔ ہو کر

ش ۳۶۔ بکہ۔ از بسکہ نہایت درجہ۔ بچہ،

ش ۳۷۔ صرف آہ آہ۔ مصروف آہ آہ۔

ش ۴۹	لوہو	لوہ - خون - (زبان قدیم)
ش ۵۱	بدیدہ گریان	دیدہ گریان کے راستہ سے،
ش ۵۳	مل کر کے	مل کر۔
ش ۵۶	ناگہ	ناگمان - اتفاقاً (زبان قدیم)
ش ۵۶	حیران وار	حیران -
ش ۶۲	مارے غیرت کے سخت مرنے لگا،	سخت غیرت کے مارے مرنے لگا، مصرعین تنقید،
ش ۶۲ و ۶۳	کے۔	کہتا تھا،
ش ۶۳	جون۔ جیسے۔	جس طرح،
ش ۶۴	حرم کار	رازدار
ش ۶۴	جمع کر	جمع کر کے،
ش ۶۸	مصلحت جو۔	طالب مشورہ۔
ش ۶۹	کیونکہ۔	کیونکر۔ کس طرح (زبان قدیم)
ش ۷۰	دیوین۔	دین۔ (زبان قدیم)
ش ۷۰	آ۔	اگر،
ش ۷۱	ہوئیں،	ہوں، (زبان قدیم)

- شعر ۷۲ - لیکر کے - لیکر
- ش ۷۳ - وہائے۔ وہا داکیا، چڑھ دوڑے،
- ش ۷۵ - "کوئی" کا تلفظ قدیم نظم میں "کے" (رنج) کے وزن پر ہوتا تھا،
- ش ۷۸ - بے۔ ابے (کلہ تختیر)
- ش ۸۱ - کے بچ۔ مین، (زبان قدیم)
- ش ۸۲ - ٹمک۔ زرا۔ (زبان قدیم)
- ش ۸۳ - دیکھے تھا۔ دیکھتا تھا، (زبان قدیم)
- ش ۸۴ - اُس ساتھ اس کے ساتھ ( " )
- ش ۸۵ ۸۶ ۸۷ - کہو۔ کبی۔ ( " )
- ش ۸۶ - جادے، جاے ( " )
- ش ۸۷ - "بھی" زائد ہے۔
- ش ۹۰ - پاس الفت سے۔ پیسہ پاس الفت،
- ش ۹۱ - بن۔ بکر
- ش ۹۲ - یہ شکل۔ شکل
- ش ۹۴ - نس پہ۔ اس پر،

۹۶	کھینچن ہون ،	کھینچتا ہون ،
۱۰۰	بے جا کی	جلا وطنی ، غلطی کی ۔
۱۰۵	انصرام کرے ،	تمام کرے ، ختم کرے ،
۱۰۹	کہ نہیں ۔	کہ صبر نہیں ۔ تعقید ہے ۔
۱۱۳	افتسا ہوا ۔	افتسا ہوا کہ
۱۱۴	نت ،	ہمیشہ ، سدا ،
۱۱۶	دیکھ ،	دیکھ کر ،
۱۱۶	لائے سو طرح سے خیال ۔	سو سو طرح کے خیالات کرنے لگے ، ہر طرح کی
	تدبیریں سوچنے لگے ،	
۱۱۸	صنم کے تئیں ،	صنم کو ۔
۱۱۹	زینت کرے ،	زندگی بسر کرے ، رہے ہے ۔
۱۲۰	ٹھکانا ۔	مقام ،
۱۲۲	ہو ۔	ہو کر
۱۲۳	کر ۔	کر کے
۱۲۵	رہے تھی ۔	رہتی تھی ۔

- شعر ۷۲ - لیکر کے - لیکر
- ش ۷۳ - دہائے - دھاداکیا، چڑھ دوڑے،
- ش ۷۵ - "کوئی" کا تلفظ قدیم نظم میں "کے" (دنگ) کے وزن پر ہوتا تھا،
- ش ۷۸ - بے - ابے (کلمہ تختیر)
- ش ۸۱ - کے بچ - مین، (زبان قدیم)
- ش ۸۲ - نمک - زرا - (زبان قدیم)
- ش ۸۲ - دیکھے تھا - دیکھتا تھا، (زبان قدیم)
- ش ۸۳ - اُس ساتھ - اس کے ساتھ ( " )
- ش ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ - کہو - کہی - ( " )
- ش ۸۶ - جاوے، جاے ( " )
- ش ۸۷ - "بھی" زائد ہے -
- ش ۹۰ - پاس الفت سے - یہ سبب پاس الفت،
- ش ۹۱ - بن - بنکر
- ش ۹۲ - پنسل - پنسل
- ش ۹۶ - نس پہ - اس پر،



ش ۹۶-	کھینچون ہون ،	کھینچتا ہون ،
ش ۱۰۰-	بے جائی	جلا وطنی ، غلامی ،
ش ۱۰۵-	انصرام کرے ،	تمام کرے ، ختم کرے ،
ش ۱۰۹-	کہ نہیں -	کہ صبر نہیں - تقید ہے ،
ش ۱۱۳-	افشا ہوا -	افشا ہوا کہ
ش ۱۱۴-	نت ،	ہمیشہ ، سدا ،
ش ۱۱۶-	دیکھ ،	دیکھ کر ،
ش ۱۱۶-	لائے سو سو طرح سے خیال . سو سو طرح کے خیالات کرنے لگے ، ہر طرح کی تدبیریں سوچنے لگے ،	
ش ۱۱۸-	صنم کے تئیں ،	صنم کو -
ش ۱۱۹-	زبست کرے ،	زندگی بسر کرے ، رہے ہے -
ش ۱۲۰-	ٹھکانا -	مقام ،
ش ۱۲۳-	ہو -	ہو کر
ش ۱۲۳-	کر -	کر کے
ش ۱۲۵-	رہے تھی -	رہتی تھی -

ش - ۱۲۷ - بے جہت - بے سبب - خود بخود -

ش - ۱۲۸ - اس کو تبدیل تھا مکان ضرور - اس کے لیے تبدیلی مکان ضروری تھی،

ش - ۱۳۱ - اٹھاوے، اٹھائے،

ش - ۱۳۲ - کر - کر کے،

ش - ۱۳۵ - فروش - جوش و خروش،

ش - ۱۴۱ - جاوے - جائے

ش - ۱۴۲ - یہ سمجھ - یہ سمجھ کر -

ش - ۱۴۲ - سات - ساتھ،

ش - ۱۴۵ - قطرہ زن - گرم رفتار - دوڑتا ہوا،

ش - ۱۴۶ - جون، جس طرح -

ش - ۱۴۸ - کھا - کھا کر،

ش - ۱۴۹ - خویش کیا - اپنایا،

ش - ۱۴۹ - ریش کیا - زخمی کیا،

ش - ۱۵۳ - مین لڑائی، مین نے لڑائی - (زبان قدیم)

ش - ۱۵۳ - مین دکھائی، مین نے دکھائی، ( " )

- ش - ۱۵۷ - چشم در راہ - چشم براہ - منظر -
- ش - ۱۵۸ - کز - کہ از -
- ش - ۱۵۹ - تا - تاکہ - (زبان قدیم)
- ش - ۱۶۰ - ہوئے - ہو - ( " )
- ش - ۱۶۱ - پھاڑا - پھاڑی -
- ش - ۱۶۲ - کائے - کہ اے -
- ش - ۱۶۳ - "یہ" کا تلفظ یہاں ہر فتح یا کرنا چاہیے ، تاکہ نہ کافہ ہو سکے -
- ش - ۱۶۴ - ٹک - ذرا - (زبان قدیم)
- ش - ۱۶۵ - ہوئے - ہو -
- ش - ۱۶۶ - حرف زن - ہمکلام - ہم سخن -
- ش - ۱۶۷ - ہو - ہو کر -
- ش - ۱۶۸ - کائے - کہ اے ،
- ش - ۱۶۹ - جادے ، جائے ،
- ش - ۱۷۰ - کوئی دم کو - کوئی دم بین ، زری دیر بین
- ش - ۱۷۱ - ہم و ناتی - وصل ملاقات -

ش - ۱۷۷ - تلمک - تلمک - ( زبان قدیم )

ش - ۱۷۸ - ہونگی۔ ہونگی،

ش - ۱۸۴ - چاہے تھی۔ چاہتی تھی،

ش - ۱۸۵ - بارے۔ خیر۔

ش - ۱۸۶ - بجا آیا، دست آیا۔ بیشک :-

ش - ۱۸۸ - دیکھئے۔ دور کیجئے۔ رو کیجئے،

ش - ۱۸۹ - اس کا کام کیجئے۔ اس کا کام تمام کیجئے۔

ش - ۱۹۳ - بازی کھاتا ہے۔ بازی میں شکست کھاتا ہے،

ش - ۱۹۵ - سب کو گوش تھا۔ سب سن رہے تھے، سب اسی گفتگو میں تھے،

ش - ۱۹۸ - گرم۔ جلد۔ (بہ محاورہ فارسی)

ش - ۲۰۰ - وان ہی۔ وہیں،

ش - ۲۰۲ - تیرے تھا، تیرا تھا،

ش - ۲۰۶ - زنت۔ ہمیشہ،

ش - ۲۰۷ - نسر طائر۔ عقاب آسمانی۔ ایک مشہور ستارہ کا نام۔

ش - ۲۰۸ - شنگ،

ش - ۲۰۷ - خرچنگ - برج سرطان - کیکڑا - گھونگھا۔

ش - ۲۰۸ - "سوس و گھڑیاں" - متقدمین کے ہاں دومندی لفظوں کے درمیان بچا سئے اور

"کے" "و" سے عطف لانا جائز تھا۔

ش - ۲۱۰ - کشت - کچھوا۔

ش - ۲۱۳ - دیکھ - دیکھ کر۔

ش - ۲۱۳ - کا - پر۔

ش - ۲۱۳ - تیر ساصل - لب ساصل،

ش - ۲۱۸ - ہم - بھی - نیز -

ش - ۲۲۰ - کی پر تاب - دور بھینکی۔

ش - ۲۲۵ - "ہاتھ اس کے سے کی" - متقدمین کے بان یہ ترکیب نظم میں جائز تھی،

موجودہ زبان میں "ہاتھ اس کے کی" نظم کیا جائے گا۔

ش - ۲۲۶ - بسکہ - چونکہ

ش - ۲۲۶ - ناگہ - ناگہان - دفعہ -

ش - ۲۲۷ - کر - کر کے،

ش - ۲۲۸ - "عُش" - یہاں پسکون ہم بڑھنا چاہیے، صحیح تلفظ عُش ہے، غنتین ہے۔

ش - ۲۳۱ - مصرعہ ثانیہ مصرعہ اولیٰ کی ترمیم ہے، یعنی یہ ہمیں کہ کشف اس کو لے دو بی، بلکہ

پیر کی محبوبی نے اسے ڈبویا،

ش - ۲۳۲ - اُچھلا - اُچھلی - اُبھرا - اُبھری -

ش - ۲۳۳ - سے - مین -

ش - ۲۳۵ - چاہت کے بیچ - چاہت سے - چاہت کے باعث -

ش - ۲۳۶ - موسے پڑے مین، مرچکے مین -

ش - ۲۳۷ - ہزار - ہزار دن - ہزار ہا اشخاص -

ش - ۲۳۸ - دون - اس طرح -

ش - ۲۳۹ - کام کر چکی - کام تمام کر چکی -

ش - ۲۴۰ - پانی پانی ہوئی، سخت نکلین ہوئی (موجودہ محاورہ مین، سخت شرمندہ ہوئی)

ش - ۲۴۱ - زبس - از بسکہ - چونکہ

ش - ۲۴۲ - آدے - آسے،

ش - ۲۴۳ - موئین - فنا ہو گئیں -

ش - ۲۴۴ - وصل کا اسباب - وصل کے اسباب -

ش - ۲۴۵ - دیوے - دے - (زبانِ قدیم)

- ش - ۲۵۰ - طرح ہو - بنیاد پڑ -
- ش - ۲۵۳ - دیوے، دے - (ڈپہ)
- ش - ۲۵۳ - ہوئے - ہو - ( " )
- ش - ۲۵۴ - بچند - کچھ روز -
- ش - ۲۵۵ - رہے ہے - رہتا ہے - ( " )
- ش - ۲۵۶ - ساز دار - ساز گار - موافق مزاج -
- ش - ۲۵۹ - ساتھ رہیں - ساتھ گئیں -
- ش - ۲۶۰ - جانے ہے - جانتا ہے، ( زبان قدیم )
- ش - ۲۶۰ - نگر - شہر - بستی -
- ش - ۲۶۴ - ونبال - پے -
- ش - ۲۶۶ - میرے تین - بھگو -
- ش - ۲۶۶ - کچھ ہوا - کچھ ہوا، پتا ہے، کچھ ہونے کو ہے،
- ش - ۲۶۷ - "سا" - پہلے مصرعہ میں زائد ہے،
- ش - ۲۶۸ - جی رکاتا جو - دل گھٹ گھٹ کر رہتا ہے -
- ش - ۲۷۵ - جو مکی - جو قش - نجومی -

ش - ۲۳۱ - مصرعہ ثانیہ۔ مصرعہ اولیٰ کی ترمیم ہے، یعنی یہ نہیں کہ کفش اس کو لے دو بی، بلکہ

پیر کی جھوپی نے اسے ڈبویا،

ش - ۲۳۲ - اُچھلا - اُچھلی - اُبھرا - اُبھری -

ش - ۲۳۳ - سے - مین -

ش - ۲۳۴ - چاہت کے بچ - چاہت سے - چاہت کے باعث -

ش - ۲۳۵ - موئے پڑے مین، مرچکے مین -

ش - ۲۳۶ - ہزار - ہزاروں - ہزار ہا اشخاص -

ش - ۲۳۷ - دون - اس طرح -

ش - ۲۳۸ - کام کر چکی - کام تمام کر چکی -

ش - ۲۳۹ - پانی پانی ہوئی، سخت نگین ہوئی (موجودہ محاورہ مین، سخت نمرندہ ہوئی)

ش - ۲۴۰ - زبس - ازبسکہ - چونکہ

ش - ۲۴۱ - آوے - آئے،

ش - ۲۴۲ - موئین - فنا ہو گئین -

ش - ۲۴۳ - وصل کا اسباب - وصل کے اسباب -

ش - ۲۴۴ - دیوے - دے - (زبانِ قدیم)



- ش - ۲۵۰ - طرح ہو - بنیاد پڑے - میرا کئے ۔
- ش - ۲۵۳ - دیوے ، دے - ( زبان قدیم )
- ش - ۲۵۳ - ہوئے - ہو - ( " )
- ش - ۲۵۴ - کچھنڈ - کچھ روز -
- ش - ۲۵۵ - رہے ہے - رہتا ہے - ( " )
- ش - ۲۵۶ - ساز دار - سازگار - موافق مزاج -
- ش - ۲۵۹ - ساتھ رہیں - ساتھ گئیں -
- ش - ۲۶۰ - جانے ہے - جانتا ہے ، ( زبان قدیم )
- ش - ۲۶۰ - نگر - شہر - بستی -
- ش - ۲۶۴ - قونال - درپے -
- ش - ۲۶۶ - میرے تین - بھکو -
- ش - ۲۶۶ - کچھ ہوا - کچھ ہو ، چاہتا ہے ، کچھ ہونے کو ہے ،
- ش - ۲۶۶ - " سا " - پہلے مصرعہ میں زائد ہے ،
- ش - ۲۶۸ - جی رکاتا جو - دل گھٹ گھٹ کر رہتا ہے -
- ش - ۲۷۵ - جوتکی - جوتشی - نجومی -

- ش - ۲۷۵ - تری خاطر - تیرے سینے -
- ش - ۲۷۶ - میو - ملنا -
- ش - ۲۷۷ - کچھو - کرنا -
- ش - ۲۷۸ - بسر آے - مقابلہ کرے -
- ش - ۲۷۹ - آدے - آئے - ( زبان قدیم )
- ش - ۲۸۰ - سمجھے ہے - سمجھتا ہے ،
- ش - ۲۸۱ - فریبندگی - فریب
- ش - ۲۸۲ - دی سلا شیریں - شیریں کو سلا دیا -
- ش - ۲۸۳ - ہمیش - ہمیشہ -
- ش - ۲۸۴ - حاصل اس سے - الحاصل - غرضکہ -
- ش - ۲۸۵ - منہ کو - منہ پر -
- ش - ۲۸۶ - ملتے خاک ، خاک ملتا ہوا ،
- ش - ۲۸۷ - غرقہ - غریق -
- ش - ۱۹۸ - روز پہنچا تھا - دن گذرا تھا - دن چڑھا تھا -
- ش - ۲۹۹ - گریہ مرگان کے اوج میں آئی - آنکھوں میں آنسو بھر آئے ،

- ش۔ ۳۰۰۔ رودیا اس نے۔ وہ رودی۔
- ش۔ ۳۰۱۔ ہوا محافہ سوار، محافہ رکھ دیا گیا،
- ش۔ ۳۰۲۔ مکان۔ مقام۔
- ش۔ ۳۰۳۔ جاگہ۔ جگہ۔ (زبان قدیم)
- ش۔ ۳۰۴۔ مین کفش پہنیکا تھا۔ مین نے کفش پہنکی تھی۔
- ش۔ ۳۰۵۔ پابہ رکاب، آمادہ کار۔ مستعد،
- ش۔ ۳۰۶۔ آب برروسے کار لا یا حُسن۔ پانی نے حُسن کی رونق دوبالا کر دی،
- ش۔ ۳۰۷۔ دیکھ۔ دیکھ کر۔
- ش۔ ۳۰۸۔ آتش لگا دی تاکہ بجائے موجودہ محافہ مین۔ آگ لگا دی۔ بولیں گے۔
- ش۔ ۳۰۹۔ عاشق کو۔ عاشق تک۔
- ش۔ ۳۱۰۔ لیک۔ لیکن، (زبان قدیم)
- ش۔ ۳۱۱۔ موٹی۔ مردہ ہو کر۔
- ش۔ ۳۱۲۔ ماہر کار۔ ماہر،
- ش۔ ۳۱۳۔ اک بار دست دیا مارتے رہے۔ موجودہ محافہ نہیں۔
- ش۔ ۳۱۴۔ آگہ ہو۔ آگاہ ہو کر۔

ش - ۳۳۸ - تنک - تنک - (زبانِ قدیم)

ش - ۳۴۱ - جا کر کے - جا کر - "کے" زاید،

ش - ۳۴۶ - خال ذرا نہ جائے نظر - نظر تنک کے لیے جگہ خالی نہیں،

ش - ۳۴۸ - دیکھ - دیکھ کر -

ش - ۳۵۱ - زبانِ درازی - طوالتِ کلام - زیادہ گوئی - (موجودہ محاورہ میں

سخت کلامی و درشت گوئی کو کہتے ہیں)

ش - ۳۵۳ - نامے - رسالے - کتابیں -

ش - ۳۵۴ - دوسرا معرہ غلط ہے، اصل کے مطابق نقل کرو یا گیا،

ش - ۳۵۵ - پہلے مصرعے کے معنی صاف نہیں،

ش - ۳۵۶ - ولے - لیکن،

ش - ۳۵۶ - شعر کا مفہوم واضح نہیں،

